اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

ماہنامہ

البرہان

لاہور

جنوری ۲۰۲۳ء

مدیر ڈاکٹر محمد امین

CPL No. 296 Monthly Al Burhan January 2033

ڈاکٹر محمد امین صاحب کی نئی تصنیف

اسلام اور تعمیرِ سیرت
عصرِ حاضر میں

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

’اسلام اور تزکیۂ نفس‘ کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب کی ضخیم علمی کتاب (۹۲۸ صفحات) اور دو مختصر کتابچوں کے باوجود ایک ایسی کتاب کی ضرورت محسوس ہوتی تھی جس میں اس موضوع کا احاطہ بھی کیا گیا ہو اور وہ متوسط حجم کی بھی ہو۔ بہت سے اضافی مباحث کے ساتھ۔ ۴۰۰ صفحات

مکتبہ البرہان لاہور

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ

’’تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو قرآن کا علم حاصل کریں اور (دوسروں کو) اس کی تعلیم دیں۔‘‘

صرف پندرہ منٹ روزانہ میں

گھر بیٹھے قرآن مجید کا ترجمہ کرنا سیکھیے

تدریس القرآن ①

پہلا پارہ (مترجم و معریٰ دونوں)

مرتب

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

صدر تحریکِ اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ

بلا معاوضہ طلب کریں

مندرجہ ذیل نمبرز پر اپنا ڈاک کا پتا واٹس ایپ کریں

0300-4107282 0309-4607124

آن لائن مطالعہ کے لیے **www.alburhaan.pk**

مکتبہ البرہان

15 شیر شاہ بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور۔ ای میل ermpak@hotmail.com

ڈاکٹر محمد امین کی چند اہم تصانیف

نمبر شمار	کتاب	صفحات	نمبر شمار	کتاب	صفحات
عصری تعلیم کی اصلاح (اسلامی تناظر میں)			۲۱	اپنی اصلاح آپ کیسے؟	۵۶
۱	ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل	۴۵۰	۲۲	ترکِ رذائل (احمد جاوید)	۲۹۲
۲	اسلامی سکول کے خدوخال	۸۰	۲۳	اسلام اور تعمیر سیرت (زیر طبع)	
۳	تعلیم اور اس کا اسلامی کردار	۱۶۷	**اسلام اور مغربی فکر و تہذیب**		
۴	یکساں قومی نصاب-خدشات و مضمرات	۲۰۸	۲۴	اسلام اور تہذیبِ مغرب کی کشمکش	۱۷۶
۵	تدریس القرآن، پارہ ۱، ۲، ۳، ۳۰ برائے معلمین	۱۶۰	۲۵	اسلامی اور مغربی اصطلاحات کا تقابلی مطالعہ	۱۷۶
۶	تدریس القرآن، پارہ ۱، ۲، ۳، ۳۰ برائے طلبہ وطالبات	۴۸	۲۶	اسلام اور ردِّ مغرب	۲۱۶
۷	پنج سورہ مع پارہ عم (اُردو تفہیم)	۷۶	**تفہیم دین**		
۸	ایک نئی یونیورسٹی کی ضرورت	۱۲۰	۲۷	مسلم نشاۃ ثانیہ-اساس اور لائحہ عمل	۴۰۰
طلبہ کی اسلامی تربیت			۲۸	شاتم رسول کے قتل کی شرعی حیثیت	۴۸
۹	تعلیمی ادارے اور کردار سازی	۱۷۲	۲۹	رزم حق و باطل	۸۰
۱۰	تعلیمی اداروں میں تعمیر سیرت-ہینڈ بک و گائیڈ	۱۶۰	۳۰	اسلام اور پاکستان	۳۰۰
اصلاحِ دینی مدارس			۳۱	عصر حاضر اور اسلام کا نظام قانون	۲۵۰
۱۱	ہمارا دینی نظام تعلیم	۲۵۰	۳۲	مقالاتِ امین (جلد اوّل)	۶۷۶
۱۲	نصابِ مدنیؒ	۴۰	۳۳	مقالاتِ امین (جلد دوم)	۶۴۲
۱۳	مدرسہ ڈسکورسز-مطالعہ و تجزیہ	۱۵۶	**باللغة العربية**		
۱۴	اصلاحِ دینی مدارس	۳۵۲	۳۴	السلطة التشريعية_ دراسة مقارنة	۱۵۰
اسلامی تحریکیں			**English Books**		
۱۵	پاکستان کی دینی قوتیں غیر مؤثر اور ناکام کیوں؟	۲۴۰	۳۵	Islamization of Laws in Pakistan	250
۱۶	خاموش انقلاب ناگزیر ہے	۲۸۸	۳۶	Riyaz us Saliheen I & II	950
۱۷	عصر حاضر میں دین کا متوازن تصور	۸۴	۳۷	Literal Translation of the Holy Quran Para 1-10	500
۱۸	نئی اصلاحی تحریک کی ضرورت	۷۲			
تزکیۂ نفس					
۱۹	اسلام اور تزکیۂ نفس (مغربی فکر کے ساتھ تقابلی مطالعہ)	۹۰۳			
۲۰	حقیقت تزکیۂ نفس (سوالاً جواباً)	۶۲			

مکتبہ البرہان

15 شیر شاہ بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور۔

ای میل ermpak@hotmail.com

ماہنامہ

البرہان

لاہور

جلد ۲۷، شمارہ ۱، جنوری ۲۰۲۳ء / جمادی الاخری ۱۴۴۴ھ

مشمولات

عنوان	مصنف	صفحہ
○فکرونظر: المیہ	مدیر	۴
○تعلیم و تربیت		
-سماجی علوم اور دینی تقاضے سماجی علوم کی اسلامی تشکیل نو مسلم اہل علم پر فرض ہے	احمد جاوید	۵
-تحریک اصلاحِ تعلیم کا نیا منصوبہ عمرانی علوم اور ان کے نصابات کی اسلامی تشکیلِ نو	ڈاکٹر محمد امین	۱۵
-اہم تعلیمی ادارے چرچ کے حوالے	پروفیسر عاصم حفیظ	۲۶
-تجدد گمراہی ہے اور قابل ردّ ہے شعبہ علوم اسلامیہ کے سربراہ متنبہ رہیں	مدیر	۲۹
-سندھ میں تعلیم کو غیر اسلامی بنانے کے اقدامات	محمد عظیم صدیقی	۳۲
○اسلام اور پاکستان		
-ایک اور گتھی سلجھ گئی پاکستان میں عدم نفاذ شریعت اور مولانا فضل الرحمٰن کا کردار	اوریا مقبول جان/ مدیر	۳۵
○تفہیم دین		
-عصر حاضر کا سب سے بڑا چیلنج: زوالِ امت	مدیر	۴۰
-نام نہاد 'اسلامی بینکاری' - ایک تجزیہ	اوریا مقبول جان	۴۳
○فکرو دانش		
پاکستان میں تبدیلی، خصوصاً اسلامی تبدیلی ممکن ہی نہیں	مفتاح اسماعیل	۵۳
○تزکیۂ نفس		
-ہم خیر القرون جیسا معاشرہ کیوں نہیں چاہتے؟ (۲)	سید خالد جامعی	۵۷
○میں نے زندگی سے کیا سیکھا (۱۱)		
-اِک شجر سایہ دار تھا، نہ رہا [خودنوشت]	مدیر	۶۲
-کچھ الاستاذ ڈاکٹر محمد امین صاحب کے بارے میں	حافظ عمران طحاوی	۶۹
○اشاریہ		
اشاریہ البرہان ۲۰۲۲ء	ادارہ	۷۵
English Section		۸۲
Iran should support Afghanistan	Syed Haider Abbas	

مدیر

ڈاکٹر محمد امین

ادارۂ تحریر

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری

حافظ عمران رضا طحاوی

لیگل ایڈوائزر

محمد یحییٰ رشید، ایڈوکیٹ ہائی کورٹ

انچارج سرکولیشن

(0309-4607124)

[برائے خریداری، تجدید، شمارہ تاخیر سے ملنے کی شکایت اور مکتبہ البرہان کی کتب کی خریداری کے لیے]

زرِاعانت: فی شمارہ 85 روپے

سالانہ 1000 روپے۔ پانچ سال: 5000 روپے

تاحیات 40,000 روپے

تحریک اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ

سونیری بنک لمیٹڈ، مین برانچ، لاہور

PK92SONE0000120000056341

برائے رابطہ

15 شیر شاہ بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور

برائے آن لائن مطالعہ

www.alburhaan.pk

کمپوزنگ: حافظ محمد محسن یوسف

0306-4640366

فکرونظر

المیہ

۱۶ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو پاکستان دولخت ہوگیا۔ یہ المیہ تھا، بہت بڑا المیہ
لیکن اس سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم نے اس سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔

فرد ہو یا قوم، اسے حادثے اور المیے پیش آتے رہتے ہیں لیکن زندہ قومیں اپنی غلطیوں سے سبق سیکھتی ہیں۔ اور معاف کیجیے گا جو اپنی تاریخ کی غلطیوں سے سبق نہیں سیکھتا وہ تاریخ کی غلام گردشوں میں ہمیشہ کے لیے گم ہوجاتا ہے۔

افسوس! کہ ہمارے سیاستدانوں نے، ہمارے عسکری ذمہ داروں نے اور بحیثیت مجموعی پوری قوم نے اتنے بڑے سانحے سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔

اس حادثے کا ہونا بھی المیہ تھا لیکن اس سے سبق نہ سیکھنا، اس سے عبرت نہ پکڑنا اور اپنی اصلاح نہ کرنا اس سے بڑا حادثہ ہے، اس سے بڑا المیہ ہے۔

حادثے سے بڑا سانحہ یہ ہوا　　لوگ ٹھہرے نہیں حادثہ دیکھ کر

یا اللہ! ہمارے حال پر رحم فرما، ہمیں اصلاح کی توفیق دے، ہمیں اچھی قیادت نصیب فرما۔ آمین

چیف جسٹس آف پاکستان سے ایک سوال

ادب کے ساتھ۔ کسی ہائی کورٹ میں جب نشستیں خالی ہوتی ہیں تو آپ ان میں تعیناتیوں کے لیے سرگرم ہوجاتے ہیں لیکن وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ اپیل بنچ میں علماء ججز کی نشستیں عرصے سے خالی ہیں لیکن وہاں تعیناتیاں کیوں نہیں ہورہیں؟

نئے سال کی مبارکباد

اہلِ مغرب خصوصاً یہودیوں اور مسیحیوں کو نئے سال کی مبارکباد۔ ہم مسلمانوں کا نیا سال تو محرم سے شروع ہوتا ہے لیکن ہمیں اس کی مبارکباد دینے کی بجائے ہر نیا چاند دیکھ کر خیر و برکت کی دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ مسلمانوں پر ظلم وستم کم کرنے اور ان کا استحصال اور استیصال روکنے کے بارے میں غور کریں۔

تعلیم و تربیت

احمد جاوید[۱]

سماجی علوم اور دینی تقاضے

سماجی علوم کی اسلامی تشکیل نو مسلم اہل علم پر فرض ہے[۲]

اس گفتگو کا محرک ایک تصور اور ایک جذبہ ہے، یعنی کہ موجودہ سماجی علوم نے مل کر جو ایک نیا تصورِ انسان وضع کیا ہے اور اسے قریب قریب عالمگیر حیثیت دے دی ہے، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے دین میں ودیعت فرمودہ تصورِ انسان کی ایسی تفصیل اور ایسے استدلال کے ساتھ اس کا بیان اور اظہار کیا جائے کہ موجودہ سماجی علوم کا انسان کے بارے میں جو مجموعی نظریہ ہے، وہ دین کے بخشے ہوئے، دین کے مقرر کردہ معیار پر کامیابی کے ساتھ، علمی تفوق کے ساتھ اور شعور کی گہرائیوں کے ساتھ پرکھا جاسکے اور دینی معیارات پر علوم کے پرکھے جانے کے نتائج خود ان علوم میں جاری منطق کے لیے قابل قبول یا واجب التسلیم ہو جائیں۔ یہ ہمارے دین کے علماء کی چند بہت بڑی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری ہے کہ وہ دین کے غلبے کو شعور کی تمام اقلیموں میں ثابت کریں۔

یہ دین وجود کے تمام دائروں میں بھی غالب رہنے کے لیے آیا ہے اور اسی طرح یہ دین ذہن اور شعور کے تمام گوشوں کو بھی روشن کرنے آیا ہے۔ یہ دین نہ عالم وجود کے کسی چھوٹے بڑے حصے کو اللہ سے غیر متعلق رہنے دینے کا امر کرتا ہے، اجازت دیتا ہے اور نہ ہی یہ شعور کی کسی بھی گہرائی، کسی بھی تہہ کو حق سے غیر متعلق رہنے کی اجازت دیتا ہے، allow کرتا ہے۔ چاہے انفس ہو، چاہے ہمارے شعور میں موجود کائنات ہو، چاہے ہمارے باہر حاضر دنیا ہو، مسلمان کی حیثیت سے حتی المقدور، ہم سب کی بہت بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم ان انفس و آفاق کو ایک ہی روشنی سے روشن اور ایک ہی امر کے تابع کر کے دکھائیں اور وہ ہے حق۔

سر سید احمد خان کی آمد تحریک مجاہدین کا براہ راست ردعمل تھی۔ سر سید احمد خان صاحب کی

---

[۱] معروف دانشور، فلاسفر اور مربی

[۲] جناب احمد جاوید صاحب کی گفتگو کی ٹرانسکرپشن جسے محمد قاسم سدید صاحب نے اپنی فیس بک پر شیئر کیا

تحریک سید احمد شہید صاحب کی تحریک مجاہدین کا براہ راست جواب تھی انگریزوں کی طرف سے، تو ان کے، سرسید احمد کے تہذیبی، تعلیمی، اخلاقی رول ماڈل بن جانے کی وجہ سے حادثاتی طور پر یا کسی نالائقی کے نتیجے میں، ہوا یہ کہ ذہن جو مغرب نے بنایا تھا، منطق جو مغرب نے ایجاد کی تھی، تصور دنیا جو مغرب نے دیا تھا اور حتیٰ کہ اخلاق اور انسان وغیرہ کے تمام بنیادی تصورات جو مغرب نے اپنے project of enlightenment کے نتیجے میں ایجاد کئے تھے، پیدا کئے تھے، سرسید نے ان تمام چیزوں، ان تمام مغربی تصورات کو اٹل معیارات بنا کر مسلم ذہن اور مسلم تہذیب دونوں پر ان کا اطلاق کر دیا۔

آج ہر علم بلا استثناء دینی شعور کے مسلمات و معتقدات سے یا تو براہ راست اپنی قوت انکار کے ساتھ متصادم ہے یا اس سے ایک تحقیر کے ساتھ لاتعلق ہے۔

اس قوم کی بدنصیبی کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، جس کے ہیرو سرسید احمد خان ایسے لوگ ہوں۔ اس تہذیب کے افلاس کو ناپا نہیں جا سکتا، جس تہذیب کی صورت گری سرسید یا ان کی تحریک کے نتیجے میں ہوئی ہو۔ تو ہم وہ نقصان تا حال بھگت رہے ہیں۔ جنوبی ایشیا میں مسلم سوسائٹی اور مسلم ذہن کی تشکیل میں سب سے زیادہ مؤثر کردار سرسید احمد خان نے ادا کیا اور یہ سرسید احمد خان کے ہی کام کا اور انہی کی تحریک کا نتیجہ ہے کہ آج ہم شعوری یا غیر شعوری، ارادی یا غیر ارادی طور پر مغرب کو اپنے لیے معیار بنا چکے ہیں۔ یعنی ہمارے لیے ترقی کا معیار مغرب ہے، ہمارے لیے اخلاق کا معیار مغرب ہے، ہمارے لیے علم کا معیار مغرب ہے، ہمارے لیے تمام سماجی، سیاسی، معاشی نظاموں کا معیار مغرب ہے، یعنی کہ شعوری طور پر اور کہیں غیر شعوری طور پر۔ اتنے بھیانک جنگل میں گھر جانے کے بعد ہم سب کی اور خصوصاً ہمارے اہل علم کی یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ مغرب کے اس نفسیاتی، تہذیبی اور سماجی غلبے کو توڑنے کے لیے چند بامعنی اور مؤثر تحریکوں اور کاوشوں کا، ایک تنظیم، ایک ترتیب اور ایک علمی دیانت کے ساتھ آغاز کرے۔ اس کے بغیر ہماری بقاء کے بہت سارے دروازے بند ہو جائیں گے۔ یہ اتنا ضروری کام ہے۔ تو خیر اس وقت سرسید پر نقد و جرح فی الحال گفتگو کا موضوع نہیں ہے، یہ صرف ہم پس منظر کے طور پر بتا رہے ہیں کہ ہندی مسلمانوں کی تاریخ میں صرف ایک ہی dialectical set up ہے اور وہ ہے تحریک مجاہدین اور سرسید احمد خان کی تحریک کا ٹکراؤ اور

اس ٹکراؤ کے نتیجہ کے میں بعض خارجی عوامل کی امداد کے نتیجے میں سرسید احمد خان کی تحریک، ان کے بنائے ہوئے ڈسکورس ان کے دیے ہوئے world views کی فتح اور ہم اسے بھگت رہے ہیں۔ تو موجودہ صورتحال یہ ہے۔

علم کی کوئی بھی قسم ہو اور علم کسے کہتے ہیں؟ اپنے اور اپنی دنیا کے بارے میں ذہن کا کسی مستقل موقف قائم کرنے کے لائق ہو جانا۔ کیونکہ علم کا مطلب ہے ذہن اپنے موضوع کے بارے میں چند عارضی یا مستقل مواقف کی تشکیل کرنے کے لائق ہو جائے تو یہ لیاقت علم کہلاتی ہے۔ تو ان معنوں میں مَیں عرض کر رہا ہوں کہ آج علم کا کوئی بھی شعبہ ہو، یعنی علم بعنوان سائنس ہو، بعنوان طبیعیات ہو، علم بمعنی سماجیات ہو، یعنی چاہے وہ سائنسی علوم ہوں، چاہے سماجی علوم ہوں، علم کی یہی دو بڑی قسمیں ہیں۔ ان میں سے ہر قسم کو مغرب نے دین کے لیے اجنبی بنانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ آج دنیا کو چلانے والا، انسانی ذہن کی تربیت کرنے والا، انسان کے عملی مقاصد کو پورا کرنے والا کوئی علم کوئی knowledge discipline ایسا نہیں ہے، تو پھر اس پہ جیسے تاکید سے کہہ رہا ہوں کہ بلا استثناء کوئی جدید علم ایسا نہیں ہے، جو مذہبی ذہن اور دینی شعور کو اپنے اندر داخل ہونے کا راستہ فراہم کرتا ہو۔

یعنی آج ہر علم بلا استثناء دینی شعور کے مسلمات و معتقدات سے یا تو براہ راست اپنی قوت انکار کے ساتھ متصادم ہے یا اس سے ایک تحقیر کے ساتھ لاتعلق ہے۔

تو آج کے علوم سے بننے والا ذہن گویا یا تو مذہب کے انکار پر اپنی تمام دستیاب استعدادِ تیقن سے کھڑا ہوا ہے، crystallized ہو چکا ہے یا پھر یہ کہ مذہب کو وہ ویسی ہی حقارت سے، مذہبی اعتقادات کو وہ ویسی ہی حقارت سے لاتعلقی کی نظر کئے ہوئے ہے، جس طرح ہم دلدل سے لاتعلق ہو جاتے ہیں، جس طرح ہم کیچڑ سے لاتعلق ہو جاتے ہیں۔ تو یہ دو طرح کے مزاج جدید علمی ماحول نے پوری طرح اپنے سے تربیت پانے والے اذہان میں inject کر دیے ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی بھی مغربی علم، اس علم کے اوریجنل اور فیکچوئل مقدمات اور مقاصد کے ساتھ اس علم کی منطق کی مطابقت کرتے ہوئے حاصل کیا جائے اور اس علم کے حصول کے نتیجے میں آپ اپنے دینی شعور کی پرداخت یا نمو کا کوئی ذریعہ حاصل کر سکیں۔ اس وقت سر دست ساری دنیا میں کوئی علم ایسا نہیں ہے، جو دینی شعور کے اعتقادات کے

لیے معاون نظامِ استدلال فراہم کرسکتا ہو، جو دینی اخلاق کی تربیت کا ذریعہ بن سکتا ہو، جو ذہن کے دینی مقاصد کو قبول کرکے اس کے حصول کے عارضی یا مستقل راستے سجھا سکتا ہو۔ اس وقت کوئی علم عملاً ایسا موجود نہیں ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا، اس کو پھر اطمینان کے لیے دہرا دیتا ہوں کہ اب علم یا تو دین اور دین کے مقدمات، مسلمات، معتقدات کا کھلا ہوا انکار ہے اور وہ انکار ایسا ہے، کہ اسے کیوں کہ ایک طاقت کی پشت پناہی حاصل ہے تو اس انکار کی شدت بہت بڑھی ہوئی ہے، اس انکار کا تحکم بہت بڑھا ہوا ہے اور تمام علوم کیونکہ اس انکار کو مدلل بنانے کے لیے تیار بیٹھے ہوئے ہیں، تو اس انکار کے لیے، جس جس طرح کے کلینیکل یا ایمپیریکل شواہد چاہیے ہیں، وہ شواہد بھی دوسرے علوم اسے مہیا کر رہے ہیں۔

یہ تاریخ ادیان میں پہلی مرتبہ ہوا ہے، یہ تاریخ کفر و ایمان میں پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ کفر اتنا زیادہ قابل قبول بنا ہو، کفر اتنا زیادہ مدلل بنا ہو، کفر کو اتنا زیادہ کلینیکل تیقن حاصل ہو گیا ہو، یہ پہلی مرتبہ ہوا ہے۔ پرسوں ایک جگہ بات ہو رہی تھی تو میں نے ایک تجویز عرض کی، جس پر مجھے تو فی الحال یقین ہے کہ یہ صحیح تجویز ہے، تاوقتیکہ اس کی تردید نہ ہو جائے، اصلاح نہ ہو جائے، کہ مغرب کو ہر اعتبار سے، زندگی کی ہر سطح پر ذہن کے ہر پہلو سے خود پر غیر موثر کئے بغیر ہم اپنے ایمان کو شعور کا منبع اور مرجع نہیں بنا سکتے۔

مطلب مغرب سے لڑنا ہو یا مغرب کے جال میں پھنسنا ہے، تو براہ راست ذہنی تصادم کے بغیر بالکل بے نیازی کی حالت میں چیزوں کو نئے سرے سے define کرو، جس میں definer تمہارا ایمانی شعور ہو۔

علم کی ایک اور تعریف ہے، چیزوں کی تعریف کے ملکہ کو حاصل کر لینا۔

علم کسے کہتے ہیں؟ 'تعریف الشیء عند الذہن' یعنی ذہن میں شے کی تعریف (پکچر)۔ ذہن میں شے کی تعریف کا مکمل اور واضح ہو جانا، شے کا define ہو جانا۔ یہ علم ہے۔

تو کیونکہ مغرب نے گویا اک دھند پھیلا رکھی ہے، جس نے اس سارے کرہ ارضی کو اور انسان کی جو ایک گلوبل ذہنیت ہے، اس کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، تو اس کے اندر رہتے ہوئے کوئی مثبت بامعنی اور ایمانی کام نہیں کیا جا سکتا۔ خود کو اس دھند سے نکالے بغیر ہم اس سورج کی طرف نظر کرنے کے لائق نہیں ہو سکتے، جو سورج ہمیں اللہ نے دے رکھا ہے اور جو

کبھی غروب ہونے کے لیے ہے ہی نہیں۔ تو اس کے لیے ضروری ہے کہ مغرب اور اس کے تمام علمی سٹرکچر سے، مغرب اور اس کے تمام عقلی مواقف سے، خود کو بے نیاز رکھ کر ہم دنیا کو مومنانہ نظر سے دیکھ کر اپنے علم کی تعریف اور شے کی تعریف دونوں خود وضع کریں، اپنے ایمانی شعور کی مدد اور راہنمائی سے۔

یہ ہم لوگوں کا اور خصوصا ہمارے اہل علم کا بہت ہی بڑا فریضہ ہے پس اس کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں معلوم ہو کہ ہمارا تصور علم کیا ہے؟ یہ ہم پر اسی طرح واضح ہونا چاہیے جس طرح عقیدۂ توحید و رسالت کا واضح ہونا ضروری ہے۔ اس حوالے سے تین چیزیں ہم پر بہت یقین کے ساتھ واضح ہونی چاہئیں:

* ہمارا تصورِ علم کیا ہے؟ * ہمارا تصورِ وجود کیا ہے؟ * ہمارا تصورِ کائنات و دنیا کیا ہے؟

ہمارا تصور علم یہ ہے کہ ہر شے، چاہے وہ شعور کے اندر located ہو، چاہے وہ شعور کے باہر موجود ہو، ہر شے ہر subject اور ہر object، یہ اللہ کی قابل اعتبار نشانی ہے۔ ہر شے اپنے essence میں، ہر چیز اپنے جوہر میں، ہر چیز اپنی ماہیت میں، ہر شے اپنی غایت میں، اللہ کی نشانی ہے اور اس کے تجزیے کے نتیجے میں برآمد ہونے والا کوئی بھی جز اس کے اللہ کی نشانی ہونے کی حیثیت کو بڑھانے کے لائق ہونا چاہیے، گھٹانے کی طرف نہیں جانا چاہیے۔ اگر کسی شے کا clinical material مادی تجزیہ مجھے اس شے کو اللہ کی نشانی کے مرتبے سے گرانے پر مائل کر رہا ہے، تو مجھے اس پورے تجزیے کو، پوری logic کو بلا تکلف اعتماد کے ساتھ رد کر دینا چاہیے، تو ہمارا تصور علم یہ ہے کہ شے کو اس کے تمام mechanics کے ساتھ، اس کی تمام کلینیکل تجزیاتی تفصیل کے ساتھ، اس کے تمام فطری اور مادی دروبست کے ساتھ جاننے کی کوششیں کرتے رہو، لیکن شے کے بارے میں اپنے اس شعور کو ہمیشہ شے سے حاصل ہونے والے ہر عارضی اور مستقل علم پر حاوی، غالب اور مسلط رکھو، کہ یہ چیز اللہ کی نشانی ہے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شے سے وابستہ شعور کی عارضی ضروریات تو پوری ہوتی یا پوری نہ ہوتی رہیں گی، یعنی کہ وہ غلط اور صحیح علم کی تمیز کے دائرے میں رہیں گی، لیکن شے کے بارے میں جو تمہارا آخری علم ہے، وہ صحیح ہوگا، حقیقی ہوگا، یعنی شے اپنی حقیقت میں اللہ کی نشانی ہے، اپنی صورت میں میرے ذہن کے لیے ایک دعوت ہے کہ آؤ اور میرا تجزیہ کر کے مجھے اپنے مصرف میں لاؤ۔

تو مَیں شے کی صورت کے تجزیے میں غلطی کرنے کی پوری آزادی رکھتا ہوں، شے کی صورت کو سمجھنے میں غلطیوں کا تسلسل مجھے اللہ سے دور نہیں کرتا۔ حتی کہ شے کی صورت کو اچھی طرح جاننے اور سمجھنے میں غلطی بھی مجھے شے کی حقیقت یعنی اس کے اللہ کی نشانی ہونے کے جوہر سے دور نہیں کرے گی۔ آپ سمجھیں، دنیا میں کس تہذیب کا، کس علم کا تصور ایسا ہے، جس میں غلطی بھی مفیدِ تحقیق ہو، جس میں غلطی بھی آپ کو اپنے object کی حقیقت سے جڑا ہوا رکھتی ہو۔

تو ہمارا تصورِ علم یہ ہے، کہ ممکن ہے کہ مَیں اس میز کی لکڑی کا تجزیہ کرنے میں ناکام رہا، ممکن ہے کہ میں پانی کا کیمیکل analysis کرنے میں غلط ہو گیا، لیکن جو میرا مسلمہ علم ہے، کہ پانی ہو یا میز، یہ دونوں ایک ہی اللہ کی دو نشانیاں ہیں، اس پر کوئی فرق نہیں پڑا ان علمی غلطیوں سے، ان تجزیاتی اغلاط سے۔

تو ہمارے تصورِ علم کی بنیاد اور غایت ہی یہ ہے کہ شے کے بارے میں ایک مستقل perspective قائم کرو اور شے سے حاصل ہونے والے تمام ادراکات کو اس مستقل تناظر کی تشکیل، تعمیر، تقویت اور تکمیل میں عملاً صَرف کر کے دکھاؤ۔ یعنی کہ کسی چیز کے بارے میں تمہاری علمی غلطی بھی اس چیز کی حقیقت سے مزید قرب کا ذریعہ بن جائے۔ تو اس تصورِ علم کو، جو ایمانی شعور کا مرکز ہے، یعنی جو ایمانی شعور کا principle content ہے، جو ایمانی شعور کا بہت بڑا مسلمہ ہے، جو اصول ہے، اس علم کو عملاً تمام علوم کا بانی، موجد اور generator بنا کر دکھانا، یہ مسلم اہلِ علم کی ذمہ داری ہے۔

تو یہاں ذرا سا دیکھ لیتے ہیں کہ سماجی علوم سے کیا مراد ہے؟ social sciences سے کیا مراد ہے؟ جن کو دین کے تابع رکھنا ضروری ہے اور یہ ابو جہل کو کلمہ پڑھوانے سے کم عمل نہیں ہوگا۔ اگر آپ سماجی علوم کو دین کے تابع رکھنے میں کامیابی حاصل کر لیں تو ان شاء اللہ اس میں اتنا ہی اجر ہے جتنا ابو جہل وغیرہ کو کلمہ پڑھانے میں، بلکہ آج کل تو جہل ابو جہل کی استطاعت سے بہت زیادہ ہے۔

تو سماجی علوم اصل میں ایک کیل پر نصب گھومنے والا پاٹ ہے، وہ کیل ایک سوال ہے، یعنی تمام سماجی علوم ابھی اس کی فہرست بنانے کی کوشش کرتے ہیں، تمام سماجی علوم مختلف

زاویوں سے ایک مستقل اور پرمانٹ سوال کے جوابات دینے کی کوششیں ہیں۔

وہ مستقل سوال ہے، 'انسان کیا ہے'؟ تمام سماجی علوم اس سوال کی گونج سے بھرے ہوئے ہیں اور اس سوال کا اپنے اپنے زاویے، اپنے اپنے تناظر اور اپنے اپنے مقاصد کے ساتھ جوابات فراہم کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ انسان کیا ہے؟ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی اندرونی بناوٹ کیا ہے اور وہ دنیا کیا ہے جس میں انسان ایک فعال کردار کے طور پر رہتا ہے۔ سماجی علوم گویا انسان اور انسانی دنیا کا تجزیہ کر کے اِن کو ڈیفائن کرنے کی کوششیں کرنے والے علوم ہیں۔ سماجی علوم کی، اللہ نے چاہا، تو یہ مکمل تعریف ہے۔ سماجی علوم میں جو بنیادی علوم ہیں، جن کے بارے میں ہمارا دینی موقف واضح ہونا چاہیے، جس پر ہمارے دینی شعور کو غالب ہونا چاہیے، مطلب صرف جاننا ہی نہیں چاہیے بلکہ غالب ہو کر دکھانا چاہیے، وہ ہیں: نفسیات، تاریخ اور فلسفۂ تاریخ، لسانیات اور جمالیات (فلسفے کی ایک شاخ کے طور پہ)۔ ان کے علاوہ بھی اس فہرست میں ضمنی علوم بہت سے ہیں جو سب کیٹیگریز ہیں۔

اس دور میں، یعنی یہ وہ دور ہے، جس کے بارے میں اسی دور کے ایک بڑے سوشل تھیورسٹ، سماجی علوم کے ایک بڑے نام مشل فوکو نے کہا کہ مغرب کا جدید آدمی بایو پروڈکٹ ہے۔ اب جو اس مشل فوکو کو جانتا ہے، وہ جانتا ہے کہ مشل فوکو بیسویں صدی کے سب سے بڑے اذہان میں سے ایک ہے، جس کا بہت زیادہ اثر پوسٹ ماڈرنزم کی تعمیر میں ہوا ہے، تو خیر اس جملے کا کیا مطلب ہوا کہ ویسٹ کا جدید آدمی بایو پروڈکٹ (bio product) ہے۔ اس کا مطلب جاننے کے لیے ہمیں تفصیل میں جانا چاہیے، وہ تفصیل یہ ہے کہ انسان کے بارے میں کسی مستقل تصور کی تلاش یا قبولیت کا عمل اس وقت سے ہے، جب سے انسانی ذہن کام کر رہا ہے۔

تو انسان کی تعریفات کے چند مدارج، مراتب اور ڈگریز ہیں۔ ان میں ایک ہے کہ انسان بایولوجیکل بی اِنگ (Biological being) ہے، انسان حیاتیاتی وجود ہے، مادے میں حرکت اور نمو پیدا ہو جائے تو وہ حیات ہے۔ انسان ایک نامیاتی یا حیاتیاتی وجود ہے، انسان ایک جبلی وجود ہے۔ جبلت کا مطلب ہے کہ یہ کچھ خواہش رکھتی ہے، ان خواہشات کا ادراک رکھتی ہے اور ان خواہشات کی تکمیل کرنے والے قابل حصول یا ناقابل حصول ذرائع بھی رکھتی ہے۔ جبلت کہتے ہیں خواہشات کے محرک کو، میری تمام خواہشات کا محرک میری کوئی

نہ کوئی جبلت ہے۔ تو انسان کی تعریف اپنے دوسرے دوسرے درجے میں وہی جبلت کی ہے۔ انسان ایک instinctive being ہے، جبلی وجود ہے۔ یا اگر ہماری اصطلاح میں کہیں تو انسان ایک طبیعت ہے۔ پہلا درجہ انسان جسم ہے، دوسرا درجہ انسان طبیعت ہے۔ تیسرا درجہ ہے انسان ایک عقلی وجود ہے، ذہنی وجود ہے۔ یعنی انسان چیزوں کو دیکھ کر اُن کی اَن دیکھی حقیقت تک پہنچنے کی ضرورت کو محسوس کرتا ہے اور اس اَن دیکھی حقیقت کی طرف رہنمائی کرنے والا کوئی اشارہ اس کے اندر سے یا باہر سے دستیاب ہو جائے، تو اس اشارے کو appreciate اور قبول اور اپنالائز کر سکتا ہے، تو انسان ایک ریشنل بی اِنگ (Rational Being) ہے۔ اگلا درجہ ہے، انسان ایک ماڈل بی اِنگ (Model Being) ہے، انسان ایک اخلاقی وجود ہے، انسان خیر و شر کے بنیادی اقدار کا شعور رکھتے ہوئے خیر کو اختیار کرنے اور شر سے بچنے کے لیے درکار مجاہدہ عقلی آمادگی کے ساتھ کر سکتا ہے۔ اگلا درجہ ہے کہ انسان ایک روحانی وجود ہے۔ اب یہ تمام اصطلاحیں مَیں دینی طور پر ڈیفائن نہیں کر رہا، یہ فلسفیانہ اصطلاحیں ہیں اور ہاں وہ تو بتانا ذہن سے نکل ہی گیا کہ فلسفہ بھی ایک سوشل سائنس ہے، تو انسان کے روحانی وجود کا مطلب یہ ہے کہ یہ میٹا فیزیکل امور کا علم رکھے بغیر ان کا اثبات کر سکتا ہے، یہ شعور کا آخری درجہ ہے، یہ وجود کی آخری سطح ہے۔ عقل کا منتہی ہے، کہ وہ کچھ چیزوں کو نہ جان سکنے کے یقین کے باوجود ان چیزوں کے ظہور کو اپریشیٹ کر کے ان غائب از عقل چیزیں کو ماننے کے قابل ہو۔ تو اس وجہ سے انسانی شعور میں علم کی تکمیل کا جو نکتہ ہے، وہ جاننے کا نکتہ نہیں ہے ماننے کا نکتہ ہے۔ یعنی علم اپنی تکمیل میں ماننا بن جاتا ہے، جاننا نہیں رہتا۔ علم اپنی تکمیل میں ایک اجمال محکم بن جاتا ہے، تفصیل نہیں رہتا۔ باقی آپ کبھی اپنے ذہن میں جھانک کر دیکھ لیں، تو آپ کے جو اٹل معتقدات ہیں، آپ ان کو مذہبی معنی میں نہ بھی لیں، آپ کے دنیا کے بارے میں جو اٹل مسلمات ہیں، وہ مجمل حالت میں موجود ہیں، ان کا مفصل کر دینا آپ کو لگے گا کہ آپ کے بس سے باہر ہے، یعنی انسانی شعور کی سب سے قیمتی متاع شعور پر حکومت کرنے کے لیے ہوتی ہے شعور کا موضوع بننے کے لیے نہیں ہوتی۔

جیسے اب نمبر ہے، نمبر ٹائم سپیس چھوٹا بڑا ہونا، اونچا نیچا ہونا، یہ عقلی شعور کے عقلی مسلمات ہیں۔ یعنی عقل اپنے کسی تصور کی تشکیل نہیں کر سکتی ٹائم اور اسپیس کے مسلمات سے باہر نکل کر، عقل اپنی کسی دلیل کو تعمیر نہیں کر سکتی، نمبر اور contradiction کی پابندی کے اصول سے

بے نیاز ہو کر۔ لیکن اگر عقل سے کہا جائے کہ ٹائم کہاں ہے، سپیس کہاں ہے، اس کو دکھا دو، اس کو چکھا دو، اس کو سجھا دو، اس کو یقین کی حد تک مدلل بنا دو، ایمپیریکل بنا دو، عقل سے کہا جائے کہ ایک سیب اور ایک امرود میں جو ایک مشترک ہے، اس ایک کا وجود دکھا دو، تو عقل کے لیے یہ پورا سوال نامانوس ہے، تو اسی لیے انسانی ذہن اپنے مسلمات کے حوالے سے اٹھنے والے سوالات کو مصنوعی سوالات سمجھنے اور قرار دینے کا نیچرل اور ریشنل حق رکھتا ہے، اس پہ شرمانے کی ضرورت نہیں۔ یعنی انسانی شعور کے جو بنیادی ترین مسلمات ہوتے ہیں، جو اس کے تمام علوم کی تشکیل میں Substance اور جوہر کے طور پر شریک حال رہتے ہیں، وہ مسلمات، وہ بنیادی دلائل، خود استدلال کے نتائج نہیں ہوتے، خود کسی علمی حرکت کے نتائج نہیں ہوتے، بلکہ وہ علم کا منبع ہوتے ہیں۔ علم پیدا ان سے ہوتا ہے، وہ علم سے ثابت نہیں ہوتے۔

اس وقت کائنات کی کسی حقیقت واحدہ کی کوئی بھی جستجو کسی بھی علم کا موضوع نہیں ہے۔ موجودہ جو صورتحال ہے اس میں حقیقت اور صورت کی اصطلاحوں سے پیدا ہونے والے ذہن کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس میں میٹا فزیکل حقائق کو مان لینے، مان سکنے کی کوئی گنجائش کوئی اجازت نہیں ہے۔

مشل فوکو کا کہنا یہ ہے، موجودہ مغرب کا جو جدید آدمی ہے، اس نے اپنے شعور اور اپنے ہونے کی تمام بلند سطحوں کا انکار کر دیا ہے، ان سے بے رخی اختیار کر لی ہے، ان سے لاتعلقی اختیار کر لی ہے اور خود کو ڈارونزم (Darwinism) کے اثر سے یا بعض تہذیبی محرکات کے نتیجے میں خود کو جسمانی اور بائیولوجیکل وجود کی سطح تک محدود رکھنے پر آمادگی پیدا کر لی ہے۔ پورا پوسٹ ماڈرنزم اس فقرے کی تفصیل ہے کہ انسان ایک بایو پروڈکٹ ہے۔ خیر اب اس کی تفصیل میں نہیں جاتے۔ کارل مارکس سے لے کر مشل فوکو تک بہت سارے مدارج ہیں، تو جس طرح قرآن شریف ایک حق کے بیان اور اظہار کی جہت پر کھڑا ہو کر انسانی علم اور انسان کی تمام علمی، جمالیاتی، ادبی، فلسفیانہ استعدادوں کو چیلنج کرتا ہے، کہ لاؤ اس آیت کو اس کے لفظی دروبست کے ساتھ مقابلہ کر کے دکھا دو، اس آیت کا، اس کی معنوی ہیئت کے ساتھ مساوات رکھنے والا کوئی بیان کری ایٹ کر کے دکھا دو۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا، اس کا مطلب کیا ہے، کہ قرآن سے تربیت پا کر اپنے شعور کو یکسو رکھنے والے آدمی کے لیے ضروری ہے، کہ اس کا ایمان

اپنے دور کے تمام علوم اور تہذیبی اقدار کے لیے ایک چیلنج بن کر رہے، کہ آؤ علمی سطح پر میرے شعور کی برابری کر کے دکھاؤ اور عملی سطح پر میرے اخلاق کا مقابلہ کر کے دکھاؤ۔ یہ قرآن پر ایمان کا ایک فطری نتیجہ ہے، قرآن کے وارث ہونے کی ایک نیچرل کوالی فیکیشن یہ ہے کہ قرآن نے جو شعور تمہیں عنایت فرمایا ہے، اس شعور کو ذہن اور شعور کی تمام مروج اور متداول قسموں سے پیدا ہونے والے تمام استدلال پر غالب کر کے دکھاؤ، غالب رکھ کر دکھاؤ۔ تو اسی وجہ سے ہمارے سلف، اللہ ان کی قبریں روشن رکھے، اللہ ان کی قبریں ٹھنڈی رکھے، اللہ ان کی یادیں ہمارے دل میں زندہ رکھے، اللہ ان کے جذبۂ اتباع کو ہمارے اندر کبھی کمزور نہ پڑنے دے، وہ کیا لوگ تھے کہ اپنے زمانے میں انسان اور انسانی نفسیات اور انسانی تہذیب کی صورت گری کرنے یا کر سکنے والے تمام علوم پر منتہیانہ دسترس رکھتے تھے اور ہر علم کو گویا پیشانی سے پکڑ کر ایمانی شعور کی تحویل میں دے دیتے تھے، یہ کام اہل علم کا نہیں ہے؟ کہ آج اخلاق اور ذہن کی تعمیر میں جن علوم کا کردار بلا شک وشبہ صادق ہو چکا ہے تمام علوم کو ایمان کے تابع کر کے دکھائیں، ان تمام اقدار کو عمل صالح سے مغلوب رکھ کے دکھائیں، کیا یہ مسلمان کا فریضہ نہیں ہے؟ یہ مسلمانوں کی ذمہ داری نہیں ہے؟ وہ ذہن میں بھی سبقت لے جا کر دکھائیں اور اخلاق میں بھی فوقیت حاصل کر کے دکھائیں۔ اس کے بغیر مسلمان ہونا ایک غیر ذمہ داری کے ساتھ اسلام کو مان لینے کا عمل تو ہو سکتا ہے لیکن اسلام قبول کیے جاتے ہی جو ذمہ داری کا شعور فطری طور پر دے دیتا ہے ہمیں اس کے لیے کسی کاوش اور استدلال کی ضرورت نہیں، اس ذمہ داری سے روگردانی ہے یا جو ہماری نوبت آ چکی ہے کہ ہم ہر چیز کو سمجھنے کے لیے مغرب کے Episteme کو اختیار کرنے کے پابند ہو چکے ہیں، اس صورتحال کو سمجھو کہ آج تمہارے کسی بھی نظریے، دنیا کے بارے میں علم اور تصور کے بننے کا سارا عمل جو ہے وہ مغرب کے مادہ علم سے عمل میں آتا ہے، تشکیل پاتا ہے، تو یہ کتنی بڑی نالائقی ہے میری کتنی بڑی نا اہلی ہے، میری کتنی بڑی غفلت ہے، کہ انسانی وجود اور شعور دونوں کو سیراب کرنے والا پانی مغرب کے چشمہ زہراب سے آتا ہے یعنی مغرب کا جو زہراب کا چشمہ ہے اس سے تم اپنے شعور کے درختوں اور پودوں کو پانی دے رہے ہو اور اگر اس سے نہ نکلے اور اس سے نکلنے کی بہت منظم کوششیں نہ کی تو پھر شناختی کارڈ والے اسلام کے علاوہ کوئی مسلمانی باقی نہیں رہے گی۔ (جاری ہے)

تعلیم و تربیت

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

تحریک اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ کا نیا منصوبہ

عمرانی علوم اور ان کے نصابات و نصابی کتب کی اسلامی تشکیلِ نو

ضرورت، اہمیت اور طریقِ کار

ضرورت و اہمیت

یہ ایک حقیقت ہے، گو تلخ سہی، اور اس کا تسلیم نہ کرنا حماقت ہے کہ:

* اس وقت دنیا پر مغربی فکر و تہذیب کا غلبہ ہے اور یہ کہ یہ تہذیب الحاد، کفر، خدا اور رسول و آخرت کے انکار اور مادہ پرستی و دنیا پرستی پر مبنی ہے۔

* اور یہ کہ اس تہذیب کے علمبردار مغربی ممالک (اپنے حلیفوں کی مدد سے) اس کی توسیع، برآمد اور یونیورسلائزیشن کے لیے کوشاں بلکہ اس پر مصر ہیں اور یہ مقصد اگر پر امن طریقوں یعنی سیاسی، معاشی اور ثقافتی سرگرمیوں، حربوں اور سازشوں سے حاصل نہ ہوں تو حربی قوت سے حاصل کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے، جس کے بعض مظاہر یہ ہیں:

- اس تہذیب کے علمبردار یورپی ممالک نے اسلام اور مسلمانوں کو پہلے دن سے دشمن سمجھا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد انہوں نے مسلم ممالک کو لوٹا، کچلا، تقسیم کیا اور غلام بنالیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد وہ مسلم ممالک کو آزاد (؟) کرنے پر مجبور ہوئے تو مغربی استعمار نے امن کا چولہ پہن لیا اور اپنی سیاسی، معاشی اور ثقافتی سرگرمیوں، حربوں اور سازشوں سے انہیں فکری و عملی غلام بنائے رکھنے کی اس نے بھرپور اور کامیاب منصوبہ بندی کی۔ مسلم ممالک میں اقتدار ان قوتوں کے حوالے کیا اور ان کے برسرِ اقتدار رہنے کے لیے سازشیں کیں جو ان کی تہذیب کے پروردہ تھے اور اس پر عمل درآمد کے خواہاں اور خوگر تھے۔

اس کے باوجود جو مسلم ممالک سر اٹھانے یا اسلامی اصول و اقدار پر عمل کرنے یا اپنے حالات بہتر بنانے میں کچھ کامیاب ہو گئے، انہیں قوت سے کچل دیا گیا جیسے عراق، افغانستان اور لیبیا۔ کچھ ممالک کچلے جا رہے ہیں جیسے شام اور یمن اور کچھ پر شدید دباؤ ہے جیسے پاکستان،

ایران اور ترکی وغیرہ۔

مسلمانوں کا قصور یہ ہے کہ وہ اسلام کو بطور ایک طرز زندگی ترک کرنے اور مغربی فکروتہذیب کو بطور نظام حیات مکمل طور پر اپنانے پر تیار نہیں ہو رہے کیونکہ یہ ان کے دین (اسلام) کے خلاف ہے۔

۔ علمی اور سٹریٹجک سطح پر مغرب نے اسے تہذیبوں کی جنگ (Clash of Civilizations) قرار دیا (ہنٹنگٹن) اور مغربی فکروتہذیب کو انسانی فکروعمل کی اعلیٰ ترین واحد صورت اور معراج قرار دیا (فوکویاما)۔

۔ چین (اور روس) کے ساتھ موجودہ سرد جنگ اسی کی مظہر ہے۔ (گو وہ مغربی تہذیب کو چیلنج نہیں کر رہے بلکہ اسے اصولی اور جزوی طور پر اپنا رہے ہیں لیکن امریکہ و یورپ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ان کے آگے مکمل سرنڈر کریں۔

* مسلمانوں کو اپنی تاریخ میں چھوٹی بڑی بہت سی مشکلات کے علاوہ دو بڑے چیلنجوں سے واسطہ پڑا۔ ایک یونانی فکروتہذیب کے حملے کی صورت میں (دوسری صدی ہجری میں) اور دوسرے منگولوں کے حملے کی صورت میں (ساتویں صدی ہجری میں) جنہوں نے بہت سے متمدن مسلم علاقوں کو تاراج کر کے مغلوب کر لیا۔ پہلا حملہ فکری تھا اور دوسرا حربی لیکن مسلم فکروتہذیب اس وقت اتنی طاقتور تھی کہ اس نے دونوں کو پچھاڑ دیا اور Survive کرنے میں کامیاب رہی۔

مغربی فکروتہذیب اور اس کے علمبردار ممالک کا اسلام اور مسلمانوں پر حملہ اس لحاظ سے زیادہ خطرناک، شدید اور نقصان دہ ہے اور بحیثیت ایک چیلنج کے سابقہ چیلنجوں سے بڑا اور مہلک ہے کہ یہ بیک وقت فکری بھی ہے اور عملی و حربی بھی۔ اگرچہ مغرب کا سیاسی، معاشی، ثقافتی اور حربی غلبہ زیادہ نمایاں نظر آتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغرب کا فکری تفوق اور غلبہ زیادہ نقصان دہ ہے کیونکہ جب تک ہم مغرب کے فکری اور علمی غلبے کے چیلنج سے عہدہ برآ نہیں ہوں گے، ہم عملی میدان میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ یہ یونان کی طرح محض ایک فکر نہیں اور نہ منگولوں کی طرح محض ایک حربی قوت ہے بلکہ یہ اسلام کے مقابلے میں وضعی دین ہے، یہ مکمل

اور متوازی نظام حیات ہے۔ وہ اسلام سے مختلف ہی نہیں اس سے متضاد ہے۔ اس نے اپنے کفر کو علم و تحقیق اور استدلال سے خوب مزین کر رکھا ہے اور عملاً اس کا سیاسی، معاشی، ثقافتی اور حربی تفوق اور سائنس و ٹیکنالوجی میں اس کی حیرت انگیز پیش رفت اس کے غلبے کا سبب ہے۔ ان حالات میں اس کے چیلنج سے عہدہ برآ ہونا کار دارد ہے۔

تاہم مسلمان جب بھی اس کام کی ابتداء کریں گے اس کا ابتدائی اور بنیادی عنصر یہ ہوگا کہ اس کے فکری و علمی غلبے سے نکلا جائے تاکہ ذہن اس کے سحر سے آزاد ہو سکیں۔

سوال یہ ہے کہ مغرب کے فکری و علمی غلبے کا توڑ کس نے کرنا ہے؟ یہ بلاشبہ مسلم مفکرین، مصلحین، دانشوروں اور مسلم یونیورسٹیوں کے پروفیسروں کا کام تھا اور ہے۔ یہ ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ مغربی تہذیب کے بنیادی نظریات، اس کے ورلڈ ویو، اس کے فلسفۂ علم اور اس فلسفۂ علم سے ابھرنے والے علوم کا تحقیقی مطالعہ کرتے، ان کا تجزیہ کرتے، ان پر اسلامی تناظر میں نقد کرتے اور ان کی خامیوں، کمزوریوں اور نقصانات کو مبرہن کرتے۔

اس کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ وہ مسلم اسباب زوال پر غور کرتے۔ ان کے ایمان کی آبیاری اور مسلم شخصیت کی اسلامی اصولوں پر نمو کے تقاضوں پر غور کرتے۔ وہ اسلامی افکار و روایات کو مغرب کے مقابلے میں راجح اور مفید تر ثابت کرتے اور مغرب کی الحادی فکر و تہذیب کے تفوق و غلبے اور احسن ہونے کے جال کو توڑتے۔ لیکن افسوس کہ خود ان کی اکثریت مغرب کے فسوں کا شکار ہوگئی اور ان کی آنکھیں مغرب کی ظاہری چمک دمک سے آگے خیرہ ہوگئیں۔ مسلم دانشوروں کی اکثریت نے مغربی افکار کی جگالی شروع کر دی اور مسلم یونیورسٹیوں میں مسلم پروفیسروں نے مغرب سے آئے ہوئے علوم کو جوں کا توں پڑھانا شروع کر دیا بلکہ ان میں سے بہت سے اس کی تعریف و توصیف میں مشغول ہو گئے اور اسے ہی حرف آخر اور وقت کا تقاضا سمجھنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری اکثر یونیورسٹیاں اور اعلیٰ تعلیم مسلمان نسل کو نامسلمان بنا رہی ہے، ان کو مغرب کا فکری غلام بنا رہی ہے، انہیں مغرب سے مرعوبیت سکھا رہی ہے اور انہیں یاد ہی نہیں رہا کہ ہمارا مغرب سے الگ ایک ومنفرد دین ہے، ہماری اپنی تہذیب ہے، ہماری اپنی پہچان (Identity) ہے، ہم نہ مغرب کے غلام ہیں اور

نہ اس کے بغل بچے اور طفیلی۔

پس اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ مسلم دانشور، اکیڈیمیا اور مسلم یونیورسٹیوں کے محققین اور اساتذہ اٹھیں اور اسلامی علوم، نصابات اور نصابی کتب کی تشکیل نو کریں۔ یہ کام اس لیے ضروری ہے کہ مسلم علمی روایت اور مسلم تہذیب وتمدن کا تسلسل باقی نہیں رہا۔ تقریباً دو صدیاں پیشتر ہم ایک تدریجی مرحلے سے گزر کر زوال پذیر ہو گئے۔ لہٰذا ہمیں نشأۃ ثانیہ Revival, Resurgence, Renaissance کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے فکری منابع کی طرف رجوع کریں، اور علوم کی اسلامی تشکیل نو کریں تا کہ اپنے نظریۂ حیات پر ہمارا اعتماد اور فخر بحال ہو، ہم دین ماسواء اللہ سے بے نیاز ہو جائیں، مغرب کی الحادی فکر وتہذیب سے ہماری مرعوبیت ختم ہو اور اس کی پیروی کو ہم ناگزیر سمجھنا چھوڑ دیں۔ جب تک ہم یہ نہیں کریں گے ہم زوال سے نہیں نکل سکیں گے، مغرب کی مرعوبیت سے ہماری جان نہیں چھوٹے گی اور ہم آزادی اور استقلال سے متمتع نہیں ہو سکیں گے۔

طریقِ کار

* سوال یہ ہے کہ اس علمی نشأۃ ثانیہ کا طریقِ کار کیا ہو؟ ہمارے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ علوم، نصابات اور نصابی کتب کی اسلامی تشکیل نو کی جائے۔ علوم کی اسلامی تشکیل نو کے چار مراحل یا تقاضے ہیں:

i۔ رجوع الیٰ القرآن والسنۃ کیونکہ وہ 'العلم' کا مخزن ہیں اور مسلم علوم کا حتمی مآخذ، مرجع اور معیار وہی ہیں۔

ii۔ بارہ سو سالہ مسلم علمی روایت اور عملی تجربات سے استفادہ

iii۔ عصری ضرورتوں اور تقاضوں کا لحاظ، مغرب کی الحادی فکر وتہذیب سے مرعوب و متاثر ہوئے بغیر

iv۔ مندرجہ بالا اصولوں پر اجتہادی سپرٹ سے علوم، نصابات اور نصابی کتب کی اسلامی تشکیل نو

* جو اصحاب یہ کام کرنے کو اٹھیں، ضروری ہے کہ وہ اسلامی علوم میں مہارت رکھتے

ہوں، مغربی فکر وتہذیب سے بخوبی واقف ہوں، دونوں کا تقابلی مطالعہ کرسکیں اور اجتہادی بصیرت سے عصر حاضر میں اسلامی تعلیمات کے قابل عمل ہونے اور مغربی فکر وتہذیب کے اصولوں سے ان کا بہتر وبرتر ہونا ثابت کرسکیں۔ وہ مغرب سے مرعوب مسلم ذہنوں کے شکوک وشبہات کا مسکت جواب دے سکیں اور مسلم معاشرے کو درپیش عصری مسائل میں ان کی رہنمائی کرسکیں۔

* علوم کی اسلامی تشکیل نو کی تین سطحیں ہیں:

علوم اسلامیہ

قرآن وسنت ہمارے علوم کا ماخذ ہیں، وہ ہمارے لیے سند اور حجت ہیں اور ہم انہیں تبدیل نہیں کرسکتے۔ ان سے اخذ واستفادے کے اصول بھی ہمارے پیش رو اسلامی محققین نے بڑی عرق ریزی سے مدون کردیئے ہیں جو انسانی کاوش ہونے کے باوجود بڑی حد تک حتمی اور قطعی ہیں۔ تاہم اس کے باوجود ہمارے اسلاف نے جو اجتہادی کام نصوص کے فہم اور عملی زندگی پر ان کے اطلاق کے حوالے سے کیا ہے، وہ ظاہر ہے ابدی نوعیت کا نہیں اور نہیں ہوسکتا لہٰذا اجتہادی بصیرت کے ساتھ، اور پورے حزم واحتیاط کے ساتھ، اسے جاری رکھنے کی ضرورت ہے۔ نیز اسلامی علوم کی تعلیم وتدریس اس انداز میں ہونی چاہیے کہ وہ طلبہ میں اجتہادی بصیرت اور اجتہادی ملکہ پیدا کرے۔

عمرانی علوم

یہ ہمارے اہل علم کی اجتہادی بصیرت کے عملی اطلاق کا اصل میدان ہیں جن میں کام کی شدید ضرورت ہے۔ عمرانی علوم (سیاسیات، اقتصادیات، تعلیم، قانون، سوشیالوجی، نفسیات، فلسفہ، تاریخ وغیرہ) کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے صرف پالیسی اصولوں میں ہماری رہنمائی کی ہے اور عقائد، عبادات اور اخلاق کی طرح ان میں حتمی، ناقابل تغیر اور جامد (Fixed) احکام نہیں دیئے، تاکہ ہم زمان ومکان کی تبدیلی اور ہر عصر کی ضرورت کے مطابق ان کی تفصیلات کا تعین خود کرسکیں۔ انہی معنوں میں ہم کہتے ہیں کہ اسلام نے ہمیں کوئی 'سیاسی نظام' نہیں دیا یا 'اقتصادی نظام' نہیں دیا بلکہ سیاسی ومعاشی شعبے میں بنیادی اصول دے دیئے ہیں

اور تفصیلات کا تعین امت کے اہل علم واجتہاد پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ اس سے پورا نظام وضع کر لیں۔

عمرانی علوم کی اسلامی تشکیلِ نو بہت ضروری ہے کیونکہ یہی علوم ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے اہم پہلوؤں کی صورت گری کرتے ہیں۔ یہ اگر غیر اسلامی ہوں گے تو ہماری ذہن سازی اور تعمیر سیرت غیر اسلامی خطوط پر ہوگی اور اسلام کے انفرادی اور اجتماعی مقاصد حاصل نہ ہو سکیں گے۔ اس لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ عمرانی علوم غیر اسلامی معاشروں سے نہ لیے جائیں بلکہ قرآن وسنت کی روشنی میں، مقاصد شریعت کو پورا کرنے کے لیے، مسلم معاشرے کے معروضات کے مطابق اور اس کی حقیقی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ان علوم کی تدوین وتشکیلِ نو کی جائے۔

مسلم معاشرہ چونکہ دو صدیاں پیشتر زوال کا شکار ہو گیا اور اب اس قعر ذلت سے نکلنے کے لیے کوشاں ہے اس لیے مسلم اہل علم کا فرض ہے کہ وہ قرآن وسنت کی روشنی اور بارہ سو سالہ مسلم علمی روایت اور عملی تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے اور عصری ضرورتوں اور تقاضوں کا لحاظ رکھتے ہوئے عمرانی علوم کی تشکیل نو کریں۔ لیکن انتہائی ضروری ہے کہ ایسا کرتے ہوئے شعوری کوشش کی جائے کہ مغرب کی فکر وتہذیب کی نقالی اور پیروی نہ کی جائے کیونکہ مغربی تہذیب کی اٹھان ہی کافرانہ بنیادوں پر ہوئی ہے اور وہ ایک بے خدا اور منکر آخرت ورسالت تہذیب/ دین ہے لہٰذا اس کے ساتھ اشتراک یا اس سے مفاہمت ممکن ہی نہیں۔

ہم اس حقیقت کا اعادہ کرنا غیر مناسب نہیں سمجھتے کہ مسلمان چونکہ دو سو سال تک مغربی استعمار کے غلام رہے ہیں اس لیے ان کے اکثر افراد میں مغرب کی فکری غلامی کے اثرات ابھی تک موجود ہیں لہٰذا جو لوگ عمرانی علوم کی اسلامی تناظر میں تشکیل نو کے لیے اٹھیں، ضروری ہے کہ انہیں اس کا شعوری ادراک ہو کہ انہیں مغرب کی فکری غلامی سے بچنا ہے اور مغرب کے عمرانی علوم کی پیروی نہیں کرنی۔

اس اصول کو مان لینے اور اس پر عمل کا مضبوط داعیہ رکھنے کے بعد مغرب سے کچھ محدود ومحتاط استفادہ کیا جا سکتا ہے خصوصاً ان شعبوں میں جن میں ان کے تجربات انسانی سطح کے ہوں اور وہ مغرب کی مخصوص الحادی فکر پر مبنی (اور Value-Loaded) نہ ہوں۔ لیکن اس کا

امکان بہت کم ہے اور اس کا میدان بہت تنگ ہے لہٰذا اس کو وسعت دینے کی کوشش نہیں کی جانی چاہیے۔ اور چونکہ ہم مغرب کے دوسو سال تک غلام رہے ہیں اور اب بھی اس کا غلبہ اور تفوق عالم اسلام پر جاری وساری ہے اس لیے ہم اس پر اصرار کرتے ہیں کہ مغرب کو رد کرنے کا مزاج مسلمان اہل علم میں راسخ ہونا چاہیے۔ اور مغرب سے استفادے کا رجحان ان میں کم ہونا چاہیے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہمارے فقہاء سداً للذریعہ بعض کاموں کی حوصلہ شکنی کرتے اور مباحات کو مکروہ یا حرام قرار دیتے ہیں یا ہمارے صلحاء طالبانِ اصلاح کو بعض مباحات سے روکتے ہیں اور انہیں تقلیل کلام ومنام اور اختلاط مع الانام کا حکم دیتے ہیں۔ اسی طرح ہم باصرار اور بتکرار کہتے ہیں کہ عمرانی علوم کی اسلامی تشکیل نو کرنے والے اہل علم کا رجحان مغربی فکر وتہذیب کو رد کرنے کا ہونا چاہیے نہ کہ اس سے استفادے کا۔

سائنسی علوم

سائنسی علوم کا تعلق زیادہ تر چونکہ انسانی عقل وتجربہ سے ہے، اس لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیں اس شعبے میں زیادہ احکام نہیں دیے لہٰذا مسلم اہل علم کو زراعت، صنعت، طب، انجینئرنگ، ریاضی وغیرہ میں وسعت حاصل ہے کہ وہ جولانئ طبع کو آزمائیں اور جدت واختراعات سے کام لیں۔ ہاں! ان میں مقاصد شریعت کا لحاظ ضروری ہے اور ان کا بیان مطابق مزاج شریعت ہونا چاہیے۔

اس شعبے میں مسلمانوں کے کرنے کا کام علمی سے زیادہ عملی ہے۔ مسلمان معاشرہ اور اس کا نظام تعلیم وتربیت جب اسلامی خطوط پر استوار تھا تو مسلمان اس شعبے میں بھی دنیا سے آگے تھے۔ آج بھی انہیں اس شعبے میں غیر مسلموں سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے اور اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے کہ وہ سائنس وٹیکنالوجی میں بھی غیر مسلموں سے آگے نکلیں اور اس کے لیے درکار اقدامات کریں۔

منصوبے کے عملی اقدامات

* تحریک اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ نے حال ہی میں 'عمرانی علوم کی اسلامی تشکیل نو' کا جو پراجیکٹ شروع کیا ہے، اس میں ہمارے پیش نظر یہ ہے کہ ایسے اہل علم کو اس کام کی طرف

توجہ دلائی جائے جو اپنے شعبۂ علم میں اسلامی لحاظ سے مہارت رکھتے ہوں اور اس شعبے میں مغرب کی پیش رفت سے بھی بخوبی واقف ہوں۔ اور آج کل جو حالات ہیں ان میں اس کے برعکس بھی صحیح اور قابل قبول ہوسکتا ہے یعنی کوئی شخص مغربی علم کے کسی شعبے میں مہارت رکھتا ہو اور اس کے اسلامی پہلو سے بھی بخوبی واقف ہو۔لیکن وہ اسلامی نظریے کے تفوق کا اور مغربی نظریے کی خامیوں کا قائل ہو اور اس کے لیے علمی دلائل رکھتا ہو تو وہ ہمارے پراجیکٹ میں کام کرسکتا ہے۔ چنانچہ ہمیں سارے عمرانی علوم میں ایسے افراد کی تلاش ہے۔ ہم جن افراد سے واقف ہیں ہم ان سے رابطے کررہے ہیں۔ البرہان کے فاضل قارئین سے درخواست ہے کہ وہ اس معاملے میں ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں اور ایسے قابل اشخاص کی نشاندہی میں ہماری مدد کریں۔

* اس کام میں پیسے سے زیادہ صلاحیت، ذوق اور جذبہ درکار ہے۔ یہ کام ایک یونیورسٹی کے کرنے کا ہے لیکن جب ہمیں ایسی کوئی یونیورسٹی میسر نہیں (اور نہ ہم خواہش وکوشش کے باوجود اب تک ایسی کوئی یونیورسٹی بنا سکے ہیں) تو ہم نے سوچا کہ ہم اپنے ادارے کے تحت، جس حد تک ہم کرسکیں، یہ کام ہمیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کام میں ہماری اعانت فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین۔

جو صاحب اس کام کو کرنے کا ارادہ کریں، ضروری ہے کہ وہ اپنے شعبۂ علوم میں، مغربی اور اسلامی دونوں پہلوؤں سے مہارت رکھتے ہیں۔ اور بہتر یہ ہے کہ دونوں میں بنیادی مآخذ سے براہ راست استفادہ کی اہلیت رکھتے ہوں۔ وہ اسے ایک تحقیقی پراجیکٹ کی شکل دے لیں اور اس موضوع پر پہلے جو کام ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے، اس کے بارے میں واقفیت حاصل کریں۔ جیسے IIIT(International Institute of Islamic Thought) نے کچھ کام کیا ہے، کچھ کام انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹیوں (پاکستان، ملائشیا، بنگلہ دیش، نائیجر) نے کیا ہوگا اور کچھ پرائیویٹ افراد نے ذاتی طور پر محنت کی ہوگی۔ ان سب کاموں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اور اس کام میں جو کسر باقی ہے یا جو کام ابھی کرنے کے ہیں ان کے کرنے پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔

برسبیل تذکرہ یہ کہنا غیر متعلق نہ ہوگا کہ ہم مغربی علوم کی اسلامی تشکیل نو(

(Islamization of Western Knowledge) کے قائل نہیں۔ ہمارے نزدیک اسلام اور مغربی فکر وتہذیب میں کسی توافق، تلفیق اور Reconciliation کی گنجائش نہیں۔ اسی لیے ہم اسلامی جمہوریت اور اسلامی بنکنگ کے قائل نہیں۔ اسلام اور مغربی فکر وتہذیب دو متضاد پیراڈائم (Paradigm) ہیں اور ان دونوں کو یکجا جمع نہیں کیا جاسکتا۔ ہم نے اس موضوع پر کافی لکھا ہے جسے دلچسپی ہو'البرہان' میں دیکھ لے یا ہم سے طلب کر لے۔

تو ہم یہ کہہ رہے تھے کہ اس پراجیکٹ میں ہمیں اسلام اور مغربی علوم میں Reconciliation نہیں کرنی بلکہ علوم کی اسلامی تشکیل نو (Reconstruction) کرنی ہے جس کا پروسیس ہم اوپر واضح کر چکے ہیں۔ نیز جو اصحاب اس تحقیقی کام کو کرنے کا ارادہ کریں، ہم کتب کے حصول اور دیگر علمی وعملی کاموں میں ان کی مالی یا عملی مدد کر سکتے ہیں لیکن یہ کوئی ایسا کام نہیں جسے ہم اپنے ادارے میں کریں بلکہ اہل علم جن یونیورسٹیوں اور اعلیٰ تعلیم کے اداروں میں کام کر رہے ہیں، انہیں اس کے لیے وہیں وقت نکالنا چاہیے اور ایک تحقیقی پراجیکٹ کے طور پر اسے انجام دینا چاہیے۔ اسی لیے ہم نے کہا تھا کہ اس کے لیے اہلیت، ذوق اور جذبے کی ضرورت ہے۔ پیسہ اس کام کی ضرورت تو ہوسکتا ہے لیکن اس کے لیے محرک نہیں بن سکتا۔

بعض اشکالات

ایک صاحب نے کہا کہ پاکستان میں ہائر ایجوکیشن کمیشن (HEC) نصاب تجویز کرتا ہے اس کی موجودگی میں نئے نصاب کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ HEC رہنمائی کے لیے ایک نصابی آؤٹ لائن ضرور دیتا ہے لیکن اس سے سو فیصد مطابقت یا اس کی ہو بہو تنفیذ ضروری نہیں ہوتی۔ آپ اس میں حک و اضافہ کر سکتے ہیں۔ یا HEC کو محض ایک عنوان دے سکتے ہیں اور پھر اس میں حسب خواہش کمی کر سکتے یا اسے وسعت دے سکتے ہیں۔ یوں اس میں کافی گنجائش ہوتی ہے۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ یونیورسٹیاں خودمختار ادارے ہوتی ہیں۔ اسی طرح ایک پروفیسر کو یونیورسٹی یا اس کا کوئی شعبہ جب کوئی کورس پڑھانے کو کہتا ہے کہ اس تو ایک آؤٹ لائن دیتا ہے یا دے سکتا ہے

لیکن وہ پروفیسر اس تک محدود رہنے کا پابند نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی آؤٹ لائن بنا سکتا ہے اور اس میں جو چاہے حک واضافہ کر سکتا ہے۔ خلاصہ ہمارے کہنے کا یہ ہے کہ ایک پروفیسر اور یونیورسٹی کو علمی خودمختاری حاصل ہوتی ہے اور وہ حکمت اور سلیقے سے اس اختیار کو استعمال کر سکتا ہے۔

ایک صاحب نے کہا کہ آپ ہمیشہ اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کی وکالت کرتے رہے ہیں تو علوم اور نصابات بلکہ نصابی کتب کی اسلامی تشکیل نو کا یہ کام انگریزی میں کرنے کا کیوں کہہ رہے ہیں؟

عرض یہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہر معاشرے کو تعلیم اپنی زبان ہی میں دینی چاہیے، چاہے وہ فارسی ہو، عربی ہو، پشتو ہو، فرانسیسی ہو وغیرہ۔ لہٰذا پاکستان میں تعلیم یونیورسٹیوں میں بھی اردو ہی میں دی جانی چاہیے۔ اگر کوئی صاحب ہمارے پراجیکٹ میں کام اردو میں کریں گے تو ہم اسے خوش آمدید کہیں گے۔ ہم نے انگریزی کی بات اس لیے کی تھی تا کہ ہمارا یہ کام عالم اسلام کی دوسری یونیورسٹیوں کے بھی استعمال میں آ سکے۔ ہم نے پچھلے ماہ کے البرہان میں اپنے سفر افغانستان کا ذکر کیا تھا جس میں یہ بھی بتایا تھا کہ وہ لوگ بھی عمرانی علوم میں نصابات اور نصابی کتب کی اسلامی تشکیل نو کے خواہاں اور طلب گار ہیں۔ انگریزی بہر حال عالمی سطح پر رابطے کی زبان ہے اور اکثر اسلامی ملکوں میں سمجھی جاتی ہے۔ نیز اس سے عربی، فارسی اور ترکی وغیرہ میں ترجمہ کرنے کے ذرائع بھی اردو سے زیادہ ہیں، اس لیے اگر اس پراجیکٹ کے شرکاء انگریزی میں کام کریں تو یہ بھی غلط نہ ہوگا۔

* عمرانی علوم کی اسلامی تشکیل نو ایک وسیع تر کام ہے جو اوریجنل تحقیق کا متقاضی ہے۔ اس عمومی کام کو جاری رہنا چاہیے اور ہر علم کے مختلف پہلوؤں پر اور اس کے مختلف شعبوں میں یہ تحقیقی کام ہوتے رہنا چاہیے لیکن اس کے ساتھ ہی ہم چاہتے ہیں کہ یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کی سطح پر یہ کام کیا جائے۔ اس کے لیے ہماری تجویز یہ ہے کہ چار سالہ بی ایس اور دو سالہ ایم فل/ ایم ایس کے لیے پہلے اسلامی تناظر میں نصاب بنایا جائے (کیونکہ موجودہ نصابات مغرب زدہ ہیں) اور پھر اس نصاب کے مطابق نصابی کتب لکھی جائیں۔

اگرچہ ہر عمرانی علم کا نصاب خصوصی حیثیت رکھتا ہے لیکن ہمارا احساس یہ ہے کہ موجودہ ماحول میں اس کا اسلوب تقابلی مطالعہ کا ہونا چاہیے مثلاً اگر اکنامکس کے مضمون کا ایک کورس بنانا ہو تو اس کی شکل یہ ہونی چاہیے کہ وہ ۴۰ فیصد مغربی اکنامکس، ۴۰ فیصد اسلامی اکنامکس اور ۲۰ فیصد تقابلی مطالعہ پر مبنی ہو۔ اور اگر بی ایس میں اکنامکس میجر سبجیکٹ ہو تو اس میں مغربی اکنامکس، اسلامی اکنامکس اور دونوں میں تقابلی مطالعے کے کئی کورس رکھے جا سکتے ہیں۔ ھذا من عندنا والعلم عند اللہ۔

تہنیت نامہ

جامعۃ الغزالی، کراچی

جامعۃ الرشید کراچی کی انتظامیہ کو مبارک باد کہ اُس نے ایک دینی مدرسہ سے یونیورسٹی بننے کا سنگ میل عبور کر لیا۔ یہ جہاں خوشی کی بات ہے وہاں ایک بہت بڑی ذمہ داری اور ایک بڑے چیلنج سے عہدہ برآ ہونا بھی ہے۔ بدقسمتی سے ہماری روایت یہ ہے کہ جو دینی ادارے گورنمنٹ کی تحویل میں گئے وہ اپنی دینی شناخت کھو بیٹھے جیسے جامعہ عباسیہ بہاولپور جو اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور بننے کے بعد ایک عام جدید یونیورسٹی بن کر رہ گئی۔ اور اسی طرح محکمہ اوقاف کے تحت چلنے والے اکثر مدارس غیر فعال ہو گئے۔

جامعۃ الغزالی کے سامنے چیلنج یہ ہے کہ کیا وہ مغرب کی الحادی فکر و تہذیب سے بچ کر اسلامی اصولوں پر تعلیم کی اسلامی تشکیل نو کر سکے گی؟ علوم اسلامیہ کو جدید منہج عطا کر سکے گی، عمرانی علوم کی اسلامی تشکیل نو کر سکے گی اور نظام تربیت کو اسلامی قالب میں ڈھال سکے گی؟ بلاشبہ یہ چیلنج بہت بڑا ہے اور ہم جامعۃ الغزالی کی انتظامیہ کے لیے دعا گو ہیں کہ وہ اس چیلنج پر پوری اُتر سکے۔

تعلیم و تربیت

محمد عاصم حفیظ

اہم تعلیمی ادارے چرچ کے حوالے

مشنری اداروں کے لیے اربوں کا تعاون اور اسلامی اداروں کی واپسی معدوم مسلمان طلباء تعلیم کے حق سے محروم اور سٹاف دربدر

راولپنڈی کا گارڈن کالج بھی چرچ کو دیا جارہا ہے۔ پنجاب کی صوبائی کابینہ نے لاہور، راولپنڈی اور سیالکوٹ کے چار سکول اس سال مارچ میں چرچ کے حوالے کیئے۔ تحریک انصاف کے صوبائی وزیر تعلیم مراد راس کی تجویز پر اس کی منظوری دی گئی۔ اس سے پہلے ایف سی کالج لاہور، کنیئرڈ کالج لاہور سمیت کئی بڑے ادارے چرچ کے حوالے کیے جا چکے ہیں۔ یہ صرف تعلیمی ادارے نہیں اربوں مالیت کی املاک ہیں۔ چرچ کے حوالے ہوتے ہی انہیں پرائیوٹ تعلیمی اداروں کی طرز پر چلایا جارہا ہے جس سے کروڑوں کی آمدن چرچ کو ہورہی ہے۔ آپ اندازہ کریں کہ لاہور کے مصروف ترین تجارتی مراکز انارکلی، رنگ محل اور راجہ بازار راولپنڈی میں وسیع وعریض عمارتیں مل جانے کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟ جی ہاں! کبھی ایف سی کالج اور کنیئرڈ کالج کی فیسوں اور آمدن کا پتہ لگالیں۔ یہ سیدھے صاف معنوں میں مشنری اداروں کے ساتھ اربوں کا تعاون ہے جو بیرونی اور اندرونی دباؤ پر کیا جارہا ہے۔ تھوڑا مزید غور کریں تو پتہ چلے گا کہ چرچ کی مذہبی، تبلیغی اور دیگر سرگرمیوں کے لیے یہی آمدن استعمال ہوتی ہے جو اہل پاکستان سے کمائی گئی ہے۔ یہ سمجھنا کوئی مشکل نہیں کہ کسی تنظیم کو اس قدر پرکشش اور قیمتی ادارے حوالے کرنے کا مطلب کیا ہے؟

یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔ اب دوسرا رخ دیکھتے ہیں۔ 1972ء میں ذوالفقار علی بھٹو کی جانب سے ملک بھر کے تعلیمی اداروں کو قومی تحویل میں لیا گیا تھا جن میں 346 اسلامی اور 118 مشنری سکول وکالجز تھے۔ بعدازاں پالیسی بدلی لیکن دوہرا معیار یہ ہوا کہ کرسچن مشنری تعلیمی ادارے تو چرچ کے حوالے کیے جانے لگے لیکن کوئی بھی اسلامی سکول یا کالج کسی دینی تنظیم کے حوالے نہیں کیا گیا۔ چرچ کا مطالبہ تسلیم ہوا کہ اس کے ادارے واپس مل جائیں لیکن مساجد کو نہیں مل سکے۔ کسی اسلامی انجمن، تنظیم کو اس کا ادارہ واپس نہیں ملا۔ 1985 میں سندھ

گورنمنٹ نے 14 مشنری ادارے واپس کر دیئے۔

2004ء میں روشن خیالی مہم کے تحت صدر مشرف نے 59 تعلیمی ادارے واپس کیے۔ مری اور شیخوپورہ کے بڑے ادارے، ایف سی کالج، کنیئرڈ کالج جیسے ادارے جن کے ساتھ اربوں کی املاک ہیں۔ اس طرح انتہائی منظم اور خفیہ طریقے سے ایک ایک دو دو یا جب بھی موقع ملا مشنری تعلیمی ادارے واپس ہونے لگے۔ چندرہ گئے ہیں جن میں سے چار رواں سال مارچ میں واپس ہوئے جبکہ گارڈن کالج راولپنڈی اب واپس کیا جارہا ہے۔

دوسری جانب اسلامیہ کالجز کے نام سے لاہور اور پشاور میں کئی ادارے، حمایت اسلام سکولز و کالجز، جامعہ اسلامیہ بہاولپور سمیت سینکڑوں ایسے تعلیمی ادارے ہیں جنہیں دینی جماعتوں، انجمنوں اور تنظیموں نے لوگوں سے چندے لے کر بنایا تھا اور جن کا مقصد دینی علوم کا فروغ تھا، ان میں سے کوئی بھی واپس نہیں کیا گیا۔ یہ سب ادارے حکومتی تحویل میں کام کر رہے ہیں۔ کس قدر دوہرا معیار ہے کہ مشنری تعلیمی ادارے تو واپس کیے جارہے ہیں۔ لیکن اسلامی ادارے واپس نہیں کیے جارہے۔

اب ہر جگہ ہوا یہ ہے کہ جیسے ہی کوئی ادارہ چرچ کو واپس ہوا تو اسے فوری طور پر کمرشل کر دیا گیا۔ تجارتی بنیادوں پر چلایا جانے لگا۔ وہاں موجود سٹاف کو نکال دیا گیا۔ ایک مکمل کرسچن ادارے کے طور پر چلایا جانے لگا جہاں مسلم طلباء کے لیے تو مہنگی فیسیں جبکہ کرسچن کمیونٹی کے لیے سکالرشپس موجود ہیں۔ یہ سب ادارے شہروں میں انتہائی قیمتی اور تجارتی مقامات پر واقع ہیں۔ مہنگی فیسوں، ساتھ قائم دکانوں اور دیگر ذرائع سے یہ ادارے کروڑوں کی آمدن دے رہے ہیں۔ اربوں کی املاک ساتھ ہیں جو سب چرچ کے استعمال میں ہیں۔ ان اداروں میں پڑھنے والے عیسائی تو شائد بنیں یا نہ بنیں البتہ یہاں مشنری ماحول میں کئی سال رہ کر سیکولر، لبرل اور ملحد نظریات کے حامل ضرور بن جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا کوئی دینی تنظیم اپنے اداروں کی واپسی مطالبہ کر سکتی ہے؟ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، حمایت اسلام سکول و کالجز ان کے حوالے کر دیئے جائیں۔ گورنمنٹ کی تحویل میں موجود ان اداروں کی عمارتیں اور ساتھ موجود املاک اتنی قیمتی ہیں کہ کئی دینی جماعتوں کا

بجٹ چلا سکتی ہیں۔انہیں تبلیغی ، خدمت خلق اور دینی مقاصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن ارض پاک میں ایسا نہیں ہو سکتا یہاں صرف چرچ کو اربوں مالیت کے تعلیمی ادارے تجارتی و تبلیغی مقاصد کے لیے واپس مل سکتے ہیں جہاں حکومت کا ذرا سا بھی عمل دخل نہیں رہتا۔ ان کی فیسیں وہ خود طے کرتے ہیں اور آمدن چرچ استعمال کرتا ہے۔الحاق برطانوی و امریکن یونیورسٹیوں سے ہوتا ہے۔اے او لیول کے نام پر فیسیں برطانیہ پہنچتی ہیں۔حتی کہ بعض اوقات حکومتی فنڈز بھی ملتے ہیں۔کوئی اسلامی تنظیم ، مسجد ، مدرسہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ان 346 میں سے کوئی ایک بھی ادارہ واپس نہیں مل سکتا کیونکہ اس حوالے سے کوئی اندرونی بیرونی دباؤ موجود نہیں ہے۔اقلیتوں کے حقوق کی آڑ میں قیمتی اداروں کا کنٹرول حاصل کیا جا رہا ہے۔ اس حوالے سے بھاری سرمایہ کاری ہو رہی ہے۔دراصل اربوں کی املاک اور تجارتی مقاصد کی گیم ہے۔اس کے لیے اندرونی و بیرونی دباؤ ، اقلیتوں کے حقوق ، میڈیا ، این جی اوز سمیت ہر حربہ استعمال ہوتا ہے۔کیونکہ تحویل ملتے ہی اس کی آمدن سے سب حاصل کیا جا سکتا ہے۔مذہبی ، تبلیغی ، تجارتی اور ریلیف کے مقاصد سے استفادہ کرنے والے کون ہوتے ہیں؟

ایسا لگتا ہے کہ ارض پاک ایک بار پھر استعماری دور کی طرف واپس جا رہی ہے جہاں بڑے ادارے مشنری نیٹ ورک کو دیئے جا رہے ہیں۔اس سے پہلے این جی اوز کے تحت سیکڑوں سکولز انہیں فراہم کر دیئے گئے ہیں۔اس کا ایک پہلو ہزاروں طلباء وطالبات کا حصول تعلیم سے محروم ہو جانا بھی ہے۔چرچ کے پاس جاتے ہی یہ تعلیمی ادارے کمرشل ہو جاتے ہیں۔جس کالج کی فیس چار ہزار سالانہ ہوتی ہے اس کی فیس فی سمسٹر ڈیڑھ لاکھ سے زائد ہو جاتی ہے اور اس طرح مڈل کلاس اور متوسط طبقے کے ہزاروں طلباء وطالبات کے لیے تعلیم کا خواب ٹوٹ جاتا ہے۔اسی طرح ان اداروں سے منسلک سیکڑوں ملازمین اور اساتذہ کرام بھی دربدر ہو جاتے ہیں۔ریگولر ملازمین کو دور دراز ٹرانسفر کر دیا جاتا ہے جبکہ کنٹریکٹ و دیگر کو بیروزگار۔اگر کسی کو شک ہے تو جتنے بھی ادارے واپس ہوئے ہیں وہ ان کے بارے میں تحقیق کر لے۔ایف سی کالج چلا جائے ، کنیئرڈ کالج کا چکر لگا لے ، چرچ کے حوالے ہوتے ہی انہیں تجارتی مقاصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ کوئی مضبوط گروپ یہ کمرشل ڈیل کرتا ہے۔(بقیہ صفحہ نمبر:۳۱)

تعلیم و تربیت

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

تجدد گمراہی ہے اور قابل ردّ ہے

پاکستانی علماء کی اکثریت جاوید احمد غامدی کو متجدد اور گمراہ قرار دے چکی ہے
یونیورسٹیوں کے شعبہ ہائے علوم اسلامیہ کے سربراہان اور اساتذہ
ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی اور ڈاکٹر عمار ناصر کے تجدد سے متنبہ رہیں

ملی مجلس شرعی پاکستان کے سارے دینی مکاتب فکر کے ثقہ، سنجیدہ اور معتدل مزاج علماء کرام کے سامنے جب جاوید احمد غامدی صاحب کے متجددانہ افکار کا معاملہ آیا تو اس وقت جامعہ اشرفیہ لاہور سمیت دیگر بہت سی دینی جامعات کے فتاویٰ بھی ان کے سامنے تھے جن میں جاوید احمد غامدی صاحب کے نظریات کو مبنی بر کفر قرار دیا گیا تھا لیکن مجلس کے علماء نے ان پر صاد کرنے کی بجائے جاوید غامدی صاحب کے افکار کو گمراہ کن قرار دیا تھا۔ یاد رہے کہ ۳۰ ستمبر ۲۰۱۹ء کے اس اجلاس میں مولانا زاہد الراشدی صاحب بھی موجود تھے اور انہوں نے مجلس کے فیصلے سے اتفاق کیا تھا۔

غامدی صاحب اور ان کے تلامذہ بڑی ہوشیاری سے ان معاملات میں، جن میں انہیں عام علماء و سکالرز سے اختلاف نہیں ہوتا، اس کے چیمپئن بن کر سامنے آتے ہیں اور عوام الناس میں گھسنے اور جگہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ پچھلے دنوں ٹرانس جینڈر ایکٹ کے مسئلہ پر ڈاکٹر عمار ناصر صاحب نے لاہور کی مختلف یونیورسٹیوں میں لیکچر دیے۔ اور یونیورسٹیوں کے شعبۂ ہائے علوم اسلامیہ کے اکثر سربراہان بھی سادہ لوح ہیں اور اس باریکی میں نہیں پڑتے کہ یہ شخص جو اس مسئلے میں عامۃ الناس کی رائے سے موافق ہے وہ دوسری بہت سی اہم دینی آراء میں روایتی اسلام اور علماء کرام کا مخالف اور غامدی صاحب کا حامی اور ان کے مؤقف کے فروغ کے لیے کام کر رہا ہے۔

ہماری یونیورسٹیوں کے شعبہ ہائے علوم اسلامیہ کی سادگی کی دوسری مثال ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کا معاملہ ہے۔ یہ صاحب علی گڑھ میں عربی زبان کے پروفیسر ہیں لیکن ان کی فکر کا

مرکزی نکتہ سرسید احمد خاں کے تجدد کی پرزور حمایت ہے۔ پاکستانی یونیورسٹیوں کے شعبہ ہائے علوم اسلامیہ کے صدور اپنی کسی نیشنل کانفرنس میں (اور اِدھر اُدھر کی یونیورسٹیوں کے چار چھ دوستوں کو بلا کر پہلے کانفرنس کو ''نیشنل لیول کی کانفرنس'' بنایا جاتا ہے اور پھر اپنے شہر یا کسی قریبی شہر میں موجود ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب کو بلا کر اس کانفرنس کو ''انٹرنیشنل کانفرنس'' کا درجہ دے دیا جاتا ہے تا کہ خانہ پُری ہو جائے اور شعبہ اور صدر شعبہ کی کارکردگی میں آ جائے کہ انہوں نے ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی تھی۔ پھر کانفرنس کا موضوع جو بھی ہے ابوسفیان اصلاحی صاحب کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے سرسید اور اس کے تجدد کی براہ راست یا بالواسطہ حمایت ضرور کرنی ہوتی ہے لیکن یار لوگ اسے ان کی انفرادی رائے کہہ کر یا مہمان سمجھ کر اس پر غضِ بصر سے کام لیتے ہیں۔

بعض سادہ لوح اسلامی سکالرز یا نیم سکالرز، غامدی صاحب (اور انہی کی طرح مولانا وحیدالدین خاں، مولانا امین احسن اصلاحی، ڈاکٹر خالد مسعود، غامدی صاحب کے تلامذہ خورشید ندیم، ڈاکٹر ظہیر اور ڈاکٹر عمار ناصر وغیرہ) کے افکار کو معمول کا اختلافی معاملہ سمجھ کر قابل قبول گردانتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں یہ اسی طرح کا اختلاف ہے جیسے احناف اور شوافع میں ہے یا دیوبندی اور بریلویوں میں ہے حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ تجدد سادہ زبان میں کہتے ہیں مغرب نوازی بلکہ مغرب پرستی کو۔ یعنی مغرب اور اس کے افکار کو برحق سمجھنا، پھر اسلامی افکار کو ان کے مطابق ثابت کرنے کے لیے ان کی کتر بیونت کرنا، ان کی ایسی تعبیر وتشریح کرنا کہ وہ مغربی افکار کی حمایت کرتے نظر آئیں مثلاً مغرب میں سیکولرزم کا تصور ہے کہ سیاست وریاست سے مذہب کا تعلق نہیں ہونا چاہیے تو غامدی صاحب بھی کہیں گے کہ قرار داد مقاصد فضول چیز ہے۔ اسلام تو فرد پر زور دیتا ہے، ریاست چلانا عوام کا کام ہے یعنی مغربی طرز کی جمہوریت، لہٰذا ریاست کے اسلامی ہونے یا اسے اسلامی بنانے کی بات فضول ہے۔ اسی طرح مغرب لبرل ازم کا قائل ہے تو غامدی صاحب مغرب زدہ طبقے کی ساری عادات واقدار کو عین اسلامی قرار دیں گے مثلاً دوپٹے کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، برقعہ صرف روایتی چیز ہے، انگریزی لباس پہننے میں اور لڑکیوں لڑکوں کے ان لائن دوستی کرنے میں اسلام رکاوٹ نہیں وغیرہ۔

تجدد کا بنیادی ہتھیار احادیث کا انکار واستخفاف یا حیلے بہانے انہیں رد کرنا ہے تاکہ قرآن کی من مانی تشریح کی جا سکی اور ماسوا اسلام خصوصاً مغربی فکر وتہذیب کے اصول واقدار کو اسلامی جواز کا لبادہ پہنایا جا سکے۔ مثلاً مغرب چونکہ ہیومنزم کی رو سے سزائے موت کو ختم کرنا چاہتا ہے لہٰذا یہ متجددین بھی کہتے ہیں کہ رجم کا قرآن میں ذکر نہیں۔ اور مغرب چونکہ باہمی رضامندی سے زنا کو برا نہیں سمجھتا لہٰذا یہ متجددین بھی حدود آرڈی ننس میں زنا کی سزا پر عمل درآمد میں رکاوٹیں کھڑی کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اسی طرح شاتم رسول کے قتل کے بارے میں روایتی علماء کی رائے کی تغلیط کے لیے احناف کے اختلاف کو بہانہ بنا کر اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ جہاد کو دہشت گردی قرار دیتے ہیں۔ اور افغان مجاہدین کے مقابلے میں امریکہ کی حمایت کرتے تھے۔ عام علماء جب ان کی مخالفت کرتے ہیں تو یہ بھاگ کر اپنے آقائے ولی نعمت امریکہ کے ہاں پناہ لیتے ہیں چنانچہ ترکی کے گولن ہوں یا پاکستان کے جاوید غامدی صاحب، ان کو ہیڈکوارٹر امریکہ میں مہیا کیا جاتا ہے تاکہ وہ وہاں بیٹھ کر اسلام کی کتر بیونت کر سکیں اور مسلمانوں کے ہاتھ ان کے گریبانوں تک نہ پہنچ سکیں اور ان کے شاگرد یہاں بیٹھ کر دھیمے سروں میں اپنے استاد کے راگ الاپتے رہیں۔

بقیہ: اہم تعلیمی ادارے چرچ کے حوالے

ایسا درجنوں اداروں میں ہو چکا ہے اور اب گارڈن کالج راولپنڈی اس کا نشانہ بنا ہے۔ کوئی ہے جو اس بارے میں فکرمند ہو؟ ایک پالیسی کے تحت اس دوہرے معیار اور ہزاروں طلباء وطالبات کو تعلیم کے حق سے محروم کرنے کا احساس کر سکے؟ کیا ان طلباء وطالبات کا قصور یہ ہے کہ وہ مسلم گھرانوں میں پیدا ہوئے؟ کیا انہیں تعلیم کا کوئی حق نہیں؟ کیا وہ اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لیے مذہب بدلیں؟ کاش دینی حلقے ان اقدامات کے پاکستانی معاشرے پر اثرات کا جائزہ لے سکیں؟ کیا حقوق نسواں کی کوئی علمبردار تنظیم ان بچیوں کے لیے آواز اٹھا سکے گی جو تعلیم سے محروم ہوں گی؟ کیا کوئی میڈیا، حکومت، سول سوسائٹی ان طلبا وطالبات کی آواز بنے گی؟

تعلیم و تربیت

محمد عظیم صدیقی[1]

سندھ میں تعلیم کو غیر اسلامی بنانے کے اقدامات تیز

موسیقی اور ڈانس کا فروغ اور نصابی کتب سے اسلامی عبارتوں کا اخراج

سندھ میں پیپلز پارٹی کی موجودہ حکومت بہت تیزی سے تعلیم کو غیر اسلامی بنانے کے اقدامات کررہی ہے۔اس کی دو مثالیں پیش خدمت ہیں:

۱۔ ۱۶ نومبر ۲۰۲۲ء کو ایلی مینٹری کالج آف ایجوکیشن حسین آباد کراچی میں ''اساتذہ کے تعلیمی جشن'' نامی پروگرام کے موقع پر بے باکی کے ساتھ سکول میں معیاری تعلیم کی فراہمی کے لیے موسیقی اور رقص کو ناگزیر قرار دیا گیا۔ وہاں موجود اساتذہ کو اس کے رائج کرنے کی ترغیب دی گئی اور اسلامی شعائر اور تعلیمات کی نفی کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس پروگرام میں بڑے اعتماد سے یہ بات کہی گئی کہ حکومت نے موسیقی کی اجازت تو دے دی ہے اب امید ہے کہ رقص کی بھی اجازت دے دے گی۔ اسٹیج پر غزل بھی پیش کی گئی، گٹار بجانے کے فن کا مظاہرہ بھی کیا گیا اور شرکاء یعنی اساتذہ کو گٹار بجانے کی پریکٹس بھی کروائی گئی اور اس کے علاوہ گفتگو کے کئی ایسے پہلو تھے جو میٹھے زہر کی طرح اسلامی تعلیمات سے اساتذہ کرام کو گمراہ کرنے کی کوشش میں شمار کیے جاسکتے ہیں۔ اس پروگرام کا انعقاد سرکاری سرپرستی میں بااختیار این جی اوز (دوربین، تعلیم برائے آگاہی اور زندگی ٹرسٹ) کے تحت تربیت اساتذہ کے ایک سرکاری کالج میں کیا گیا۔

۲۔ سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ کی اردو کی ساتویں جماعت کی کتاب میں ۲۰۱۵ء سے شامل سبق ''یوم استقلال'' کی عبارت ''ہمیں شوق، جذبے اور مسلسل جدوجہد کے ساتھ اسلامی اصولوں کے تحت علم کو عام کرنا ہے'' میں سے ''اسلامی اصولوں کے تحت'' کے الفاظ حذف کردیے گئے ہیں۔

یعنی علم کو عام تو کیا جائے گا لیکن اصول اسلامی کے مطابق نہیں۔ روایات اور تہذیب

[1] ناظم شعبہ تعلیم، جماعت اسلامی صوبہ سندھ، کراچی

اسلامی نہیں ہوگی۔موجودہ تعلیمی اداروں کا ماحول بتا رہا ہے کہ ''اسلامی اصولوں کے تحت'' کے جملے کو ایسے ہی حذف نہیں کیا گیا بلکہ بتدریج اسلامی تہذیب سے جڑنے والے اداروں کو شیطانی تہذیب کا غلبہ فراہم کیا جا چکا ہے۔تعلیمی ادارے سیکولر ایجنڈے کے علمبردار بنا دیئے گئے ہیں۔ماضی کا جائزہ لیں جب تعلیمی ادارے صرف ریاست کا ہی حصہ تھے۔تو اس وقت کے معیار کی تعریف آج بھی لوگ کرتے ہیں اور تعلیمی معیار کے ساتھ ساتھ قومی وحدت بھی قابل قدر تھی۔تعلیمی اداروں کو پھر پرائیوٹائز اور کمرشلائز کرنا شروع کیا گیا جس نے مجموعی طور پر صرف تعلیمی معیار کو ہی کم نہیں کیا بلکہ تعلیم کی روح کو بھی متاثر کر دیا۔تعلیم اور علم کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے استاد اور شاگرد کے روحانی رشتے کو کمزور کر دیا۔تعلیم کو کمرشلائز کرنے کے ساتھ ساتھ بتدریج گلیمرائز بھی کر دیا گیا ہے۔بات سمجھ نہیں آتی تو تعلیمی اداروں کے داخلوں کے اشتہارات میں تصاویر کو دیکھ لیں،تعلیمی اداروں کے ماحول کو دیکھ لیں،اس میں ہونے والے فنکشن کو دیکھ لیں، ان کی پکنک کو دیکھ لیں، پچھلے ایک ہفتہ کے اندر اندر کئی یونیورسٹیوں میں ڈانس کے پروگراموں کا انعقاد ہوا ہے۔جیسے یہ اسلامی ریاست کے تعلیمی ادارے نہ ہوں کسی یورپی ملک کے ہوں۔

اسی طرح اس سبق سے مندرجہ ذیل عبارت حذف کر دی گئی ہے:

''آزادی بھی ایک قسم کی پابندی کا نام ہے۔اس پابندی میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا شامل ہونی چاہیے اس لیے کہ اصل حاکمیت اللہ کی ہے۔وہ ہم سب کا خالق ہے۔اس کے بنائے ہوئے اصول ہماری زندگی کے ہر شعبے میں رہبری اور رہنمائی کرتے ہیں۔''

ان سطروں میں واضح طور پر اللہ کی حاکمیت اور اس کے بنائے ہوئے اصولوں کی اہمیت کا ذکر ہے۔اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کی خاطر اختیار کی جانے والی پابندیوں کو ہی آزادی قرار دیا گیا ہے۔ان سطور میں یہ پیغام واضح ہے کہ دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے لازم ہے کہ انسانوں کے ربّ کی حکمرانی تسلیم کی جائے۔اللہ نے انسانوں کو زندگی گزارنے کے بنیادی قوانین وضع کر دیئے ہیں اب انسانوں کو ان پر عمل کرنا ہے، ان اصولوں کا نفاذ کرنا ہے۔اور پاکستان کے قیام کا مقصد بھی درحقیقت یہی تھا اور کسی بھی اسلامی ریاست کے لیے تو یہ فرض عین ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس حوالے سے سورۃ المائدہ میں صاف صاف بتا دیا ہے کہ جو

لوگ ایسا نہ کریں وہ ظالم، فاسق اور کافر ہیں۔

جب اسمبلی میں موسیقی اور ڈانس پر اعتراضات کیے گئے تو وزیر تعلیم نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ حمد ونعت سکھانے کے لیے میوزیشن رکھے جائیں گے۔عرض ہے کہ سندھ حکومت پہلے سرکاری سکولوں میں ناظرہ پڑھانے کے لیے اساتذہ کا تو اہتمام کرلے۔حال ہی میں گورنر سندھ نے خط لکھ کر وزیر اعلیٰ سندھ کو ناظرہ قرآن مع ترجمہ کی کلاسز شروع کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔اپنے خط میں انہوں نے تجویز کیا ہے کہ اس پر عمل درآمد کے لیے پنجاب کے طریقہ کار کو زیرغور لایا جاسکتا ہے۔تعلیم کا محکمہ پہلے ناظرہ کے اساتذہ کے ساتھ سائنس اور ریاضی کے اساتذہ کی تقرریاں بھی مکمل فرمالے۔نعت اور حمد وہاں کے اساتذہ خود ہی بچوں کو سکھا دیں گے۔

ہم طلبہ اور اساتذہ کی تنظیموں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ دیگر کاموں کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کے نفاذ اور ماحول کو اسلامی تہذیب کے مطابق ڈھالنے میں اپنا کردار ادا کریں۔والدین کی ایسوسی ایشنز بھی بچوں کی پٹائی، فیس میں اضافہ اور کاپی کتابوں کی فروخت کے مسائل سے باہر نکلتے ہوئے اسلامی نظریات کا نفاذ اور حفاظت بھی اپنی ذمہ داری میں شامل کریں اور متعلقہ اداروں کی اصلاح کا کام کریں جو درس گاہوں کے مقدس ماحول کو مغربی تہذیب میں بدل رہے ہیں۔ہمیں ترقی اور گلیمر کے فرق کو سمجھنا ہوگا۔سکولوں کو تعلیمی اور تحقیقی میدان میں آگے بڑھنا چاہیے اور اسی آگے بڑھنے کے عمل کو ہی ترقی کہا جائے نہ کہ گلیمر زدہ ماحول کو ترقی کا نام دیا جائے۔مسلم معاشرے کے لیے گلیمر زدہ ماحول ترقی نہیں پستی اور بربادی کی علامت ہے۔لہٰذا تعلیمی ادارے جدید تعلیم اور ٹیکنالوجی کے فروغ میں تو اپنا بہترین اور عمدہ کردار ضرور ادا کریں جو قابل ستائش ہوگا لیکن جدید تعلیم کی آڑ میں بے حیائی کی ترویج وترغیب تو سنگین جرم ہے جس کی سزا دنیا وآخرت کی رسوائی ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے کہ:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[النور ۱۹:۲۴]

''بے شک جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے، ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔''

اسلام اور پاکستان　　اوریا مقبول جان/ مدیر

ایک اور گتھی سلجھ گئی

پاکستان میں عدم نفاذِ شریعت اور مولانا فضل الرحمٰن کا کردار

اوریا مقبول جان صاحب کا شکریہ۔ وہ فاضل آدمی ہیں۔ ان کے ایک کالم[1] کی وجہ سے ایک اور گتھی سلجھ گئی!

البرہان کے قارئین جانتے ہیں کہ ان سطور کا راقم نہ اخباری کالم نگار ہے، نہ اسے ریٹنگ اور سستی شہرت سے دلچسپی ہے، نہ وہ کسی سیاسی جماعت یا دینی سیاسی جماعت کا ایک رخا حامی یا مخالف ہے۔ وہ تحقیق کا طالب علم ہے اور جن موضوعات سے اسے دلچسپی ہے ان میں اصلاحِ تعلیم، تربیت وتزکیۂ نفس اور مغربی فکر وتہذیب کے ساتھ اسلام اور پاکستان شامل ہیں۔ پاکستان میں نفاذ اسلام/ نفاذ شریعت/ غلبۂ دین، اس کی حکمت عملی اور لائحہ عمل اس کی سوچ اور تحریروں کا موضوع رہی ہے اور ہے۔ اس موضوع پر اس کے بیسیوں مضامین اور کئی کتابیں موجود ہیں۔

پاکستان میں شریعت کیوں نافذ نہیں ہوسکی اور اس میں بیرونی قوتوں، ہماری حکومتوں اور اسٹیبلشمنٹ کے علاوہ دینی جماعتوں، خصوصاً دینی سیاسی جماعتوں کی حکمت عملی اور طریق کار کے کیا اثرات ہیں؟ یہ نکات ہماری سوچ اور تحریروں کا موضوع رہے ہیں اور ہیں۔

قارئین یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم دینی جماعتوں کے درمیان اتحاد ویکجہتی کے علمبردار ہیں لیکن اس کے باوجود دین کے وسیع تر مفاد کی خاطر ہم دینی جماعتوں اور خصوصاً دینی سیاسی جماعتوں اور ان کی پالیسیوں کے ناقد بھی رہے ہیں اور ہیں۔ ہم دینی سیاسی جماعتوں کی مسلک پرستی، فرقہ واریت اور ان کے عدم اتحاد کے شاکی رہے ہیں۔ ہم جماعت اسلامی کی نادانیوں، خود کو سوادِ اعظم قرار دینے والے بریلوی بھائیوں کی جمعیت علماء پاکستان کا اپنے

[1] روزنامہ، ۹۲ نیوز، میں اوریا مقبول جان کا کالم، حرف راز، شمارہ ۸ دسمبر ۲۰۲۲ء

ہاتھوں قتل، اہل حدیث بھائیوں کے بیسیوں دھڑوں میں سے ایک بڑے دھڑے کا ایک سیاسی جماعت کا دم چھلہ بن جانا.... ان سب پر ہم نرم لہجے میں تنقید کرتے رہے ہیں۔ دیو بندی بھائیوں کی جمعیت علماء اسلام کے کئی دھڑوں میں بٹنے کے علاوہ ہم محترم مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی بعض پالیسیوں کے بھی ناقد رہے ہیں۔ اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم نہیں سمجھ سکے تھے کہ وہ کس طرح ہر بار برسر اقتدار جماعت سے اقتدار شیئر کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ صوبہ سرحد میں حکومت ملنے پر وہ کیوں نہ ڈیلیور کر سکے یا تحریک انصاف کے خلاف آزمائی ہوئی کرپٹ جماعتوں کے اتحاد کی ان کی سربراہی میں کیا دینی مفاد پوشیدہ ہے؟ لیکن ہم شکر گزار ہیں اوریا مقبول جان صاحب کے اور ان کے اس کالم کے کہ مولانا کی پالیسیوں کا راز انہوں نے خود ان کی زبان سے کھلوا دیا ہے۔ ہمارے کسی تبصرے کے بغیر آپ بھی اوریا مقبول صاحب کا کالم ''رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی'' پڑھ لیجیے اور فیض یاب ہوئیے!

رِند کے رِند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

قاضی حسین احمد مرحوم ان چند ایک ارواح صالحہ میں سے تھے جن کے چہرے کو دیکھنے سے ایک قلبی و روحانی تسکین حاصل ہوا کرتی تھی۔ میں ان کی مسکراہٹ کا قتیل تھا۔ جتنی دیر میں ان کی محفل میں رہتا، میرا جی چاہتا کہ وہ مسکراتے رہیں۔ تبسم کا لفظ اپنے اصل روپ میں ان کی مسکراہٹ کے لیے ہی مناسب لگتا تھا۔ ایک درد دل رکھنے والے اور اُمتِ مسلمہ کی نشاۃِ ثانیہ کے نقیب۔ جب کبھی بھی ان سے ملاقات ہوئی، کوئی ایک المیہ، کوئی نیا دُکھ انہوں نے ضرور بیان کیا۔ ایک تفصیلی ملاقات میں، جب مَیں نے خیبر پختونخواہ میں متحدہ مجلس عمل کی پانچ سالہ حکومت کی نفاذِ اسلام کے حوالے سے ناقص بلکہ صفر کارکردگی کا تذکرہ کیا تو قاضی صاحب کا ہنستا مسکراتا چہرہ غم و اندوہ کی تصویر بن گیا۔ کہنے لگے جب 2002ء میں صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختونخواہ) میں متحدہ مجلس عمل کی حکومت قائم ہوئی تو مَیں نے مولانا فضل الرحمن صاحب سے ملاقات کی اور میں نے انہیں کہا کہ اب چونکہ ایک صوبے میں ہمیں حکومت مل گئی ہے تو اگر ہم ممکن حد تک یہاں اسلامی قوانین کا نفاذ کر دیں، تو ہم یہ ثابت کر سکیں گے کہ اسلامی قوانین آج کے دور میں بھی نافذ العمل ہیں۔ ہماری یہ کامیابی لوگوں کے دلوں میں ہمارے لیے جگہ

بنائے گی اور ہم آئندہ انتخابات میں بھی بہتر کارکردگی دکھا سکیں گے۔ قاضی صاحب نے بتایا کہ مولانا نے اس کے جواب میں ایک ایسی بات کہی کہ مَیں ان کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔ مولانا نے فرمایا کہ جمعیت علماء اسلام اپنی پیش رو جماعت، ''جمعیت علماء ہند'' کی طرح کبھی بھی نفاذِ اسلام کے مقصد کے لیے کام نہیں کرتی۔ یہ ایک عمومی سیاسی جماعت ہے جیسے باقی تمام سیاسی پارٹیاں ہوتی ہیں اور وہ حالات وواقعات اور اسباب وعلل کو دیکھ کر سیاست کرتی ہیں۔

برصغیر کی عملی سیاست کے حوالے سے مولانا کی یہ بات درست اور تاریخی حقائق لیے ہوئے ہے۔ یہی مروّجہ سیاست ہی تو ہے جو 1920ء کے پہلے عمومی انتخابات کی کوکھ سے برآمد ہوئی اور اس ایک صدی میں اس نے لفظ ''سیاست'' کو ایک منفی استعارہ بنا کر رکھ دیا۔ آپ نے بارہا لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہوگا کہ ''میرے ساتھ سیاست مت کرو''، یعنی کھری کھری بات کرو، سچ بولو۔ یہ سیاسی داؤ پیچ اور مطلب پرستی ہی تو تھی کہ خیبر پختونخواہ اور بلوچستان کے اکثر چائے خانوں میں یہ بورڈ آویزاں ہوتے تھے کہ ''یہاں چرس پینا اور سیاسی گفتگو کرنا منع ہے''۔ جمعیت علماء ہند ایک سیاسی پارٹی تھی جس کی بنیاد چند علمائے کرام نے 19 نومبر 1919ء کو رکھی، جن میں مولانا کفایت اللہ دہلوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی شامل تھے۔ یہ تاثر غلط ہے کہ جمعیت علماء ہند کی بنیاد مولانا محمود حسن اور مولانا حسین احمد مدنی نے رکھی تھی کیونکہ یہ دونوں حضرات اس وقت مالٹا کی جیل میں قید تھے لیکن جمعیت علماء ہند کو قائم کرنے والے تمام علماء چونکہ دیوبند مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے آہستہ آہستہ انہوں نے اپنی سیاست کاری سے اس پورے مکتبۂ فکر کے علماء اور پیروکاروں کو ساتھ ملا لیا۔ بالکل اسی طرح جیسے آج مولانا فضل الرحمن نے تمام دیوبندی فکر رکھنے والوں کو ساتھ ملا رکھا ہے۔

گیارہ ستمبر 2001ء کے بعد جب پرویز مشرف کی حکومت نے پاکستان میں طالبان سے ہمدردی رکھنے والے افراد پر کریک ڈاؤن کا آغاز کیا تو ان میں اکثریت دیوبندی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد کی تھی کیونکہ افغانستان کے طالبان انہی مدرسوں سے فارغ التحصیل ہوکر نکلے ہوئے تھے۔ ایسے میں مولانا فضل الرحمن کی سیاسی ''بصیرت'' اور ''بصارت'' نے

بھانپ لیا کہ اگر میں نے دیو بند مکتبۂ فکر کے ماننے والے علماء وطلباء میں یہ ''خوف'' بیچ دیا کہ اگر تم ''میری'' یعنی ''جمعیت علماء اسلام'' کی چھتری تلے جمع نہ ہوئے تو پھر ایک ایک کر کے مارے جاؤ گے، تو پھر میری سیاست کامیاب ہو سکتی ہے۔ مولانا کی یہ دھمکی ایسی کارگر ثابت ہوئی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی پورا دیو بندی مکتبۂ فکر ان کی مٹھی میں آ گیا۔ حالت یہ ہے کہ آپ آج ان کی پگڑی کے بَل پر بھی انگلی اٹھائیں تو ان کے ''دیوانے وفرزانے'' آپ کی ایسی کردار کشی کریں گے، آپ کو ایسی باتیں سنائیں گے اور آپ کو اس قدر صفائی اور ڈھٹائی سے قادیانی اور یہودی ایجنٹ بنا دیں گے کہ آپ اپنی عزت سمیٹ کر خاموش ہونے میں ہی عافیت سمجھیں گے۔ مولانا کی دھمکیاں اپنے حامیوں اور مخالفین دونوں کے لیے کامیاب ثابت ہوتی رہی ہیں۔ حامیوں کو کچلے جانے کا خوف دلا کر ساتھ ملایا گیا اور مخالفین کو بدنامی اور کافر کہلائے جانے کا خوف دلا کر چُپ کرایا گیا۔ پاکستان میں کوئی ایک سیاست دان بھی ایسا نہیں ہے جس کے پاس ایسی دو دھاری تلوار موجود ہو۔

پاکستان میں جمعیت علماء اسلام کی سیاست اپنی پیش رو جماعت 'جمعیت علماء ہند' سے بالکل مختلف نہیں رہی ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے وہ کانگریس کے ساتھ مل کر سیاست کرتی تھی اور آج بھی بھارت میں سیکولر سیاست کر رہی ہے۔ قیامِ پاکستان سے پہلے انہوں نے نہرو سے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ حکومت ملنے پر مسلم پرسنل لاء کا تحفظ کیا جائے گا۔ اسی طرح پاکستان میں جمعیت علماء اسلام نے بھی ایوب کے مارشل لاء میں آمریت کا ساتھ دے کر نیشنل عوامی پارٹی کی قوم پرستی کے ساتھ مل کر، بے نظیر اور نواز شریف کی مفاد پرستانہ سیاست کے پہلو بہ پہلو چل کر اور پرویز مشرف کی سیکولر، لبرل حکومت کی ہمرکابی، اتنی آسانی سے اختیار کر لی کہ ایسی سیاست تو مغربی جمہوریت والوں کو بھی نہیں آتی۔ علامہ اقبالؒ نے اسی سیاست پر کہا تھا:

ملّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

مولانا کی اسی سیاست سے پاکستان کے مدرسے اور مکتب پُرسکون ہیں اور ان پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ لیکن مدارس کی اس حفاظت کے بدلے میں اسلام اور تصورِ نفاذِ اسلام جو

قیمت ادا کر رہا ہے، وہ بہت خوفناک ہے۔ ہماری عملی زندگی میں ایک قوت نافذہ کی حیثیت سے اسلام ہماری سیاست سے نکل چکا ہے اور اسلام کو دیس نکالا دینے میں ان علماء کی ایسی ''عملی'' سیاست کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ مولانا فضل الرحمن اس سیاست کے اس قدر شاندار کھلاڑی ہیں کہ ان کا ذہن ہر دَم نئی نئی اختراعات پیدا کرتا رہتا ہے۔ ان کی پیش رو جمعیت اور خود ان کی پارٹی خالص علماء کی ایک جماعت رہی ہے اور یہ اپنی اسی قوت کی بنیاد پر ہر سیکولر، لبرل، کیمونسٹ، قوم پرست پارٹی سے اپنے لیے مفادات حاصل کیا کرتی تھی۔ لیکن مولانا نے اب اس تصور کو وسعت دے دی ہے، انہوں نے سوچا کہ ہم جن طاقتوں سے معاہدہ کر کے مراعات لیتے ہیں، کیوں نہ ان کو ہی اپنی پارٹی میں شامل کر لیا جائے۔ اس کا آغاز انہوں نے بلوچستان سے کیا ہے۔ سابق وزیر اعلیٰ نواب اسلم رئیسانی، میر ظفر اللہ زہری، میر امان اللہ نوتیزی اور سردار ظفر اللہ خان گچکی سمیت لاتعداد قبائلی وسیاسی رہنما جمعیت کے قافلے میں شامل ہو گئے ہیں۔ مولانا اب اقتدار کی بساط پر مکمل قبضہ جمانے میں بھی خودکفیل ہونا چاہتے ہیں۔ اب جمعیت علماء اسلام میں ہر طرح کی محفل کا اہتمام ہو سکتا ہے۔ مجلسِ ذکر وفکر بھی اور محفلِ رندانہ بھی۔

معشوقِ ما بہ شیوۂ ہرکس موافق است
با ما شراب خورد و بہ زاہد نماز کرد

''میرے معشوق کو ہر طرح کی محفل راس آجاتی ہے، وہ میرے ساتھ بیٹھ کر شراب بھی پی لیتا ہے اور زاہد کے ساتھ نماز بھی پڑھ لیتا ہے''۔ شورش کاشمیری بلا کے قادرالکلام شاعر تھے۔ ان کی تمام زندگی اسلام کے دفاع میں گزری۔ 1970ء کے الیکشنوں میں جب انہوں نے جمعیت علماء اسلام کو کیمونسٹ، لادین اور ملحدوں کے ساتھ سیاسی اتحاد کرتے دیکھا تو سخت پریشان تھے۔ لاتعداد نظمیں اور ہجویں لکھیں، ایک شعر تو غضب کا تھا۔

کل قاسم العلوم میں بٹتی رہی شراب
رندانِ شہر مفت میں بدنام ہو گئے

تفہیم دین

ڈاکٹر محمد امین

عصر حاضر میں اسلام اور مسلمانوں کو درپیش سب سے بڑا چیلنج

زوالِ امت

چونکہ مسلمان پورے دین پر عمل کرنے کے پابند ہیں اس لیے ایک مسلمان کے لیے دین کے سارے شعبے ہی اہم ہیں۔ نیز قرآن وسنت چونکہ ہمارے دین کے بنیادی ماخذ ہیں لہٰذا وہی ہمارے عقائد، عبادات، اخلاقیات اور معاملات سے متعلق تعلیمات واحکام کا منبع ہیں۔

قرآن وسنت کی تعلیمات پر جب پورا معاشرہ زندگی کے سارے شعبوں میں عمل کرتا ہے تو اس تعامل سے ابھرنے والے افکار وتاملات کو ہم 'فکر اسلامی' سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے عملی اور تمدنی مظاہر کو ہم 'اسلامی تہذیب' کہتے ہیں۔ قرآن وسنت محکم ومتعین نصوص کا نام ہے جن کا منبع وحی الٰہی ہے لہٰذا ان کے احکام حتمی، قطعی اور ناقابل تغیر ہیں جبکہ فکر اسلامی اور تہذیب اسلامی تغیر پذیر ہیں کیونکہ وحی کے تصورات پر غور وفکر اور ان پر عمل ایک انسانی کاوش ہے جس کا زمان ومکان کی تبدیلی اور حالات کے تغیر سے تبدیل ہو جانا ایک فطری اور قابل فہم عمل ہے، بلکہ دیکھا جائے تو یہ ناگزیر اور لابدی ہے کیونکہ ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں۔ یہی چیز ہے جسے شرعی اصطلاح میں اجتہاد کہتے ہیں اور جس کے ذرائع قیاس، استصحاب، مصالح مرسلہ، سدّ الذریعہ اور عرف وغیرہ ہیں اور انفرادی واجتماعی اجتہاد اور اجماع اس کی مختلف شکلیں ہیں۔

خلاصہ یہ کہ فکر اسلامی ایک تغیر پذیر مظہر ہے اور یہ کہ ہر زمان ومکان میں اسلام اور مسلمانوں کو درپیش فکری چیلنج ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ یہ درپیش تو درحقیقت مسلمانوں ہی کو ہوتے ہیں اس لیے انہیں مسلم فکر کو درپیش چیلنج کہنا ہی زیادہ مناسب محسوس ہوتا ہے لیکن ان کا محتوی (Content) اور ہدف چونکہ اسلامی تعلیمات ہوتی ہیں (جن کا منبع قرآن وسنت ہیں) لہٰذا انہیں اسلامی فکر کو درپیش چیلنج کہنا بھی کوئی ایسا غلط نہیں۔

مثلاً اسلامی یا مسلم تاریخ کو دیکھیے تو خلافت راشدہ ہی میں جو فتنہ اٹھ کھڑا ہوا اور اسلام اور مسلمانوں کے لیے چیلنج بن گیا وہ خوارج کا فتنہ اور چیلنج تھا۔ دوسری صدی ہجری میں یونانی

فکروتہذیب کا اسلام اور مسلمانوں پر حملہ ہوا جو اصلاً فکری اور اعتقادی تھا لیکن چونکہ اسلامی تہذیب اس وقت عروج پر تھی اور طاقتور تھی، اس لیے اس نے یہ فکری اور اعتقادی حملہ مقابلتاً آسانی سے پسپا کر دیا۔لیکن ساتویں صدی ہجری میں جب وحشی منگولوں کا طاقتور سیلاب اٹھا تو اسے ردّ کرنا آسان ثابت نہ ہوا کیونکہ مسلم تہذیب اس وقت پکے ہوئے پھل کی طرح گرنے کو تھی اور مسلمان جہاد، جدوجہد، مشقت اور شمشیر وسنان کی بجائے کاہلی، آرام پسندی اور طاؤس ورباب کی طرف مائل تھے۔لیکن وہ چیلنج فکری سے زیادہ حربی تھا اس لیے ان کے مدمقابل آنے والے مسلمان فوجی لحاظ سے شکست کھانے کے باوجود انہیں فکری لحاظ سے مغلوب کرنے میں کامیاب ہو گئے اور وہی منگول بعد میں اسلام اور مسلمانوں کے خادم اور نام لیوا بن گئے۔

یوں مسلم تہذیب جو پہلی صدی ہجری میں ایک مثالی (اور ماڈل) شکل میں تھی، مختلف فکری اور عملی کمزوریوں اور داخلی وخارجی مشکلات سے نبرد آزما ہوتی، تقریباً چھ صدیوں تک اپنے گولڈن پریڈ میں رہی۔ پھر اسے داخلی کمزوریوں کی بناء پر فتنوں اور تحدیات (چیلنجز) سے نمٹنے میں مشکل پیش آنے لگی لیکن چونکہ اس کی بنیاد مستحکم تھی اور اس کی جڑیں زمین میں گہری پیوست تھیں لہٰذا اس تن آور درخت کو گرنے میں بھی صدیاں لگیں اور مسلم تہذیب روبہ زوال ہوتے ہوئے بھی مزید پانچ چھ صدیاں نکال گئی۔لیکن جو دیمک اس کی جڑوں کو لگ گئی تھی وہ اسے اندر سے کھوکھلا کر رہی تھی، یہاں تک کہ یہ تن آور درخت بارھویں صدی ہجری میں انتہائی کمزور ہو گیا اور اس گرتے درخت کو دشمنوں نے دھکا دے کر زمین بوس کر دیا۔

عصر حاضر میں اسلام اور مسلمانوں کو درپیش سب سے بڑا چیلنج

مسلم زوال اسلامی اور مسلم تاریخ کا سب سے بڑا سانحہ اور سب سے بڑا دھچکا تھا۔ یہ زوال صرف سیاسی، معاشی اور حربی نہ تھا بلکہ یہ فکری، ایمانی اور تہذیبی زوال بھی تھا۔ اور اس لحاظ سے اس کا چیلنج بھی ہمہ گیر تھا کیونکہ یہ چیلنج فکری بھی ہے اور تہذیبی بھی، ایمانی بھی ہے اور اعتقادی بھی، سیاسی بھی ہے اور معاشی بھی، معاشرتی بھی ہے اور ثقافتی بھی۔لیکن چونکہ سارے انسانی اعمال کی بنیاد اس کی فکر ہی ہوتی ہے اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ چیلنج بنیادی طور پر فکری ہے اور اس فکری چیلنج کا تقاضا یہ ہے کہ امت اس بات پر غور کرے کہ وہ زوال پذیر کیوں ہوئی اور وہ اس زوال سے کیسے نکل سکتی ہے؟ یہ سوال اس لیے اہم ہیں کہ ان کے صحیح جواب پر

ہی امت کی حیاتِ نو اور زوال سے نکلنے کا انحصار ہے اور جب تک وہ ان دو سوالوں کے صحیح جواب تک نہیں پہنچے گی وہ موجودہ ذلت ورسوائی اور غلامی کے گڑھے سے نہیں نکل سکے گی۔

لہٰذا آج کی اسلامی فکر بلکہ یوں کہیے کہ مسلم مفکرین، مصلحین، دانش وروں اور اہل علم وفضل کے سامنے چیلنج یہ ہے کہ وہ ان دو سوالوں کا جواب دیں۔ بلکہ پہلے سوال کا اگر صحیح تجزیہ کر کے صحیح جواب دے دیا جائے تو دوسرے سوال کا جواب منطقی طور پر مل جائے گا کیونکہ جن علل وعوامل کی وجہ سے مسلمان زوال کا شکار ہوئے اگر ان کی تحدید متعین طور پر کر لی جائے تو دوسرے سوال کا جواب خود بخود مل جائے گا کہ زوال کے اسباب وعوامل کو ترک کر دیا جائے تو مسلمان زوال کے قعرِ ذلت سے نکل آئیں گے۔

البتہ پہلے سوال کا جواب دینے کے لیے ایک اور سوال پر غور کرنا پڑے گا بلکہ اس کے بغیر اس سوال کا جواب دیا ہی نہیں جا سکتا اور وہ پیشگی سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کو عروج اور غلبہ کیونکر حاصل ہوا؟ جب ہم اس کا جواب دے لیں گے تو ظاہر ہے کہ ہمارے ذکر کردہ پہلے سوال کا جواب خود بخود مل جائے گا کہ جن عوامل کی بنیاد پر اسلام اور مسلمانوں کو عروج اور غلبہ ملا، ان کا فقدان ہی زوال اور شکست وریخت کا سبب بنا۔ گویا زوالِ امت کے حوالے سے مسلمان مفکرین، مصلحین، مجتہدین، علماء، فقہاء، صلحاء اور دانشوروں کے سامنے تین سوال ہیں جن کا صحیح جواب ہی مسلمانوں کو اس چیلنج سے عہدہ برآ ہونے کے قابل بنا سکتا ہے اور وہ سوالات یہ ہیں:

۱۔ اسلام اور مسلمانوں کے عروج وغلبہ کے محرکات اور عوامل کیا تھے؟

۲۔ مسلمان زوال کا شکار کیوں ہوئے؟

۳۔ مسلمان اس زوال سے کیسے نکل سکتے ہیں؟

یہاں عصر حاضر میں مسلم امہ کو درپیش سب سے بڑے چیلنج کا تعین اور اس کا ادراک ہی مقصود تھا۔ امت اور اس کے مفکرین ومصلحین نے اس کا کیا جواب دیا، اس کا کیا نتیجہ نکلا اور اب اس سلسلے میں کیا کچھ کیا جانا مقصود ومطلوب ہے، اس کا ذکر اگلے مباحث میں آئے گا، ان شاء اللہ۔

(جاری ہے)

تفہیم دین

اوریا مقبول جان ⁽¹⁾

نام نہاد 'اسلامی بینکاری' - ایک تجزیہ ⁽²⁾

موجودہ اسلامی بینکاری برائے نام اسلامی ہے اور اس میں مختلف حیلوں سے سودی نظام کو غیر سودی قرار دیا جاتا ہے

وفاقی شرعی عدالت میں اس نام نہاد اسلامی بینکاری کے خلاف رٹ پٹیشن

وفاقی شرعی عدالت نے 28 اپریل 2022ء کو رباء (سود) کے خلاف جو تاریخ ساز فیصلہ دیا ہے، اس میں یوں تو موجودہ اسلامی بینکنگ (جسے تمام مفتیانِ کرام بھی غیر ''سودی بینکاری'' کہتے ہیں اور مکمل اسلامی بینکنگ کہنے سے اجتناب کرتے ہیں)، کو کسی حد تک جائز قرار دیا، لیکن چونکہ شرعی عدالت کے جج حضرات کا دل بھی اس بات پر مطمئن نہیں تھا، اس لیے انہوں نے درج ذیل پیرا اپنے فیصلے میں شامل کر دیا۔

"We are of the view that every citizen is at liberty to challenge the legality of any such product which is being practiced and acted upon in the name of Islamic Banking. If any citizen thinks that any product of Islamic Banking is not in accordance with the injunctions of Islam and the name of Islam is only being used as "HEELA" than he can invoke the jurisdiction of the Federal Shariat Court any time."

''ہمارا یہ خیال ہے کہ ہر شہری آزاد ہے کہ وہ کسی بھی ایسے ''بینکاری طریقِ کار'' کی قانونی حیثیت کو چیلنج کرے جو اسلامی بینکنگ کے نام پر رائج ہے۔ اگر کوئی شہری یہ سمجھتا ہے کہ اسلامی بینکنگ کا کوئی طریقِ کار اسلام کی تعلیمات و ہدایات کے مطابق نہیں ہے، اور اسلام کا نام صرف ایک ''حیلہ'' کے طور پر استعمال کیا گیا ہے تو وہ کسی بھی وقت وفاقی شرعی عدالت کی عملداری (jurisdiction) کے تحت درخواست دے سکتا ہے۔''

⁽¹⁾ معروف اسلامی دانشور، کالم نگار اور اینکر پرسن

⁽²⁾ عناوین اور ذیلی عناوین ادارے کی طرف سے اضافہ ہیں

وفاقی شرعی عدالت کی اس اجازت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہم نے اس ''نام نہاد'' اسلامی بینکنگ کو وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا، جس کی پہلی پیشی 14 نومبر 2022ء کو ہوئی۔ میرے ساتھ اس میں ایک ایسے صاحب شریک ہیں جو برطانیہ میں اپنی لاکھوں پونڈ کی پریکٹس چھوڑ کر پاکستان آئے ہیں تاکہ سود کے نظام کے خلاف جہاد کر سکیں۔ یہ صاحب شہزاد شوکت ہیں جو ایک چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہیں لیکن معاشیات و بینکاری کے علم میں بھی ایسی اسناد رکھتے ہیں جو بہت کم لوگوں نے حاصل کی ہیں۔ ان کے ساتھ ایک اور چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ عبدالرزاق صاحب ہیں جو بیک وقت برطانیہ اور پاکستان میں پریکٹس کرتے ہیں۔ شہزاد شوکت صاحب نے وفاقی شرعی عدالت میں رباء کے خلاف بنیادی پٹیشن کے دوران وفاقی شرعی عدالت کے سامنے انتہائی جاندار دلائل دیئے تھے جو رباء کے خلاف اس ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل فیصلے میں شامل ہیں۔

پاکستان کے جمہور علماء کی مخالفت

یوں تو اسلامی بینکنگ کے بارے میں پہلے دن سے ہی یہ شرح صدر موجود تھی کہ یہ دراصل مروّجہ سودی بینکاری کے ''خنزیر'' کو ''بکری'' کا لبادہ اوڑھا کر حلال کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسلامی بینکاری کے بارے میں اس تصور کو ہمارے اذہان میں ان لوگوں کی گفتگو سے راستہ بنا، جو تھے تو بنیادی طور پر بینکاری کے شعبے سے ہی وابستہ مگر ببانگِ دہل یہ کہا کرتے تھے کہ یہ ''خالصتاً'' ویسا ہی سودی کاروبار ہے جو باقی مروّجہ بینک کرتے ہیں لیکن ''حیلہ سازی'' سے اسے اسلامی بینکنگ پکارا جاتا ہے۔ لیکن اسلامی بینکنگ کے خلاف مہرِ تصدیق اس وقت لگی جب شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مرحوم (اللہ ان کی قبر کو نُور سے بھر دے) جنہوں نے 28 اگست 2008ء بمطابق 25 شعبان المعظم 1429ھ ملک بھر کے مفتیانِ کرام کا اجلاس جامعہ فاروقیہ میں منعقد کروایا اور مروّجہ اسلامی بینکاری کا بھرپور جائزہ لینے کے بعد تمام مفتیانِ کرام نے فتویٰ جاری کیا:

''اجلاس میں شریک مفتیانِ عظام نے متفقہ طور پر یہ فتویٰ جاری کیا کہ اسلام کی طرف منسوب مروّجہ بینکاری قطعی غیر شرعی اور غیر اسلامی ہے، لہٰذا ان بینکوں کے ساتھ اسلامی یا شرعی

سمجھ کر جو معاملات کئے جاتے ہیں وہ ناجائز اور حرام ہیں اور ان کا حکم دیگر سودی بینکوں کی طرح ہی ہے''۔

اس فتوے پر مولانا سلیم اللہ خان کے علاوہ جن علماء و مفتیان نے دستخط ہیں ان میں مولانا زر ولی خان، مفتی عبدالمجید دین پوری شہید، مولانا حبیب اللہ جان اور مفتی عبداللہ صاحب جیسے پندرہ جید علماء اور مفتیان کے نام شامل ہیں۔

اسی سال ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم نے لاہور میں ''اسلام اور بینکنگ'' کے عنوان سے ایک کانفرنس منعقد کرائی۔ اس کانفرنس میں پاکستان اور بیرون ملک سے تقریباً ہر شعبہ زندگی کے افراد نے شرکت کی، جن میں سپریم کورٹ کے سابق جج، معیشت دان اور علماء سب شامل تھے۔ اس کانفرنس میں جہاں مروّجہ بینکاری کو حرام قرار دیا، وہیں اسلامی بینکاری کو بھی نہ صرف حرام قرار دیا گیا بلکہ اسے اس لیے زیادہ خطرناک قرار دیا کہ اس کی وجہ سے عام آدمی اسے اسلامی سمجھ کر اس میں شامل ہوجاتا ہے اور اسے اس بات کا قطعاً احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ ویسا ہی سود حاصل کر رہا ہوتا ہے جیسا کہ مروّجہ سودی بینکوں سے لین دین کے معاملے میں اسے ملتا ہے۔

وفاقی شرعی عدالت نے بھی اپریل 2022ء کے اپنے فیصلے میں مروّجہ اسلامی بینکنگ کو بھی مکمل نہیں بلکہ ''کسی حد تک''یعنی انگریزی زبان میں "To some extent" حلال قرار دیا ہے۔ اگر فیصلہ کرنے والے ججوں کو اپنے موقف پر حتمی یقین اور ایمان ہوتا تو وہ کبھی بھی اس پر دوبارہ پٹیشن دائر کرنے اور عدالت سے رجوع کرنے کی گنجائش نہ چھوڑتے۔

پندرہ سال قبل 2008ء میں دنیا میں ایک عالمی مالیاتی بحران آیا، جو اپنی خوفناک شکل میں 2008ء میں اس طرح نمودار ہوا کہ یوں لگتا تھا کہ 1945ء میں بریٹن ووڈ میں قائم کردہ سودی مالیاتی نظام دھڑام سے گر جائے گا۔ دنیا بھر کے ممالک میں قائم بینکوں نے سود لینا مکمل طور پر ختم کر دیا۔ اس بحران سے نہ صرف یہ بینکار سمجھ گئے تھے کہ ترقی اور سود ایک ساتھ نہیں چل سکتے بلکہ دنیا بھر کے ممالک کو بھی اس بات کا ادراک ہو گیا تھا کہ اگر ہم نے لوگوں کو سود پر قرض دیا تو معیشت کا پہیہ بالکل جام ہو کر رہ جائے گا۔ دبئی کی مارکیٹ سے ایک ملک پاکستان

کے شہریوں کے آٹھ ارب ڈالر ڈوبے تھے۔ لوگ اپنی گاڑیوں میں چابی لگائے انہیں ایئر پورٹ پر چھوڑ کر جہازوں میں فرار ہو گئے تھے۔ اس عالمی بحران میں اگر اسلامی بینکاری نہ ہوتی تو سود کا عالمی نظام دَم توڑ جاتا۔ عالمی سودی مالیاتی نظام کے ''قائدین'' کو ساری زندگی کے لیے اسلامی بینکاری کا شکرگزار ہونا چاہئے کہ اس نے 2008ء میں سودی نظام کی بقاء کے لیے ہراول دستے کا کام کیا۔ یہی وجہ ہے کہ 2008ء کے بعد سے دنیا بھر میں اسلامی بینکاری میں ڈرامائی طور پر اضافہ ہوا ہے اور دنیا بھر میں قائم عالمی سودی مالیاتی نظام کے ٹھیکیداروں نے بھی اسے ٹھنڈے پیٹوں قبول کرلیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مروّجہ اسلامی بینکنگ سودی نظام کے بنیادی اساسی تصورات میں سے کسی ایک تصور کو بھی چیلنج نہیں کرتی، بلکہ اپنی مخصوص ''حیلہ سازی'' سے اسے شرعاً جائز قرار دیتی ہے۔

اسلامی بینکاری پر عملی کام 1963ء میں شروع ہوا اور 1975ء میں اس کی ''کھڑکیاں'' عام بینکوں میں کھول دی گئیں۔ پاکستان ان پہلے تین ممالک میں شامل تھا جنہوں نے اس کی بنیاد رکھی۔ جولائی 1979ء میں NIT، HBFC اور ICP جیسے معاشی اداروں میں اس کا ٹیسٹ آغاز کیا گیا۔ اور 26 جون 1980ء کو پاکستان کے معاشی اور کارپوریٹ سسٹم کے لیگل فریم ورک میں ترمیم کر کے ''اسلامی بینکاری'' کی راہ نکالی گئی۔

حلال طوائفیں

ریڈ لائٹ علاقہ اس بازار یا رہائشی احاطے کو کہتے ہیں جہاں طوائفیں جسم فروشی کرتی ہیں۔ یہ اصطلاح پہلی دفعہ عیسائیت میں خواتین کے حقوق کی علمبردار تنظیم "Women Christian Temperance Union" نے 1882ء میں استعمال کی اور اب دنیا بھر کے شہروں میں وہ علاقے جہاں یہ دھندہ ہوتا ہے، انہیں ریڈ لائٹ علاقہ یا ایریا کہا جاتا ہے۔ یورپ کا سب سے بڑا ریڈ لائٹ ڈسٹرکٹ ایمسٹرڈیم میں ہے، جہاں دنیا بھر سے ہر رنگ، نسل، زبان اور علاقے کی لڑکی لا کر اس بازار میں سجائی گئی ہے تاکہ ہر طرح کے گاہک کی تسکین کا سامان ہو سکے۔ جسم فروشی کے اس بازار میں مئی 2014ء کو ایک جسم فروشی کے اڈے کے باہر یہ بورڈ آویزاں تھا ''حلال طوائفیں (Halal Hookers) دستیاب ہیں۔ اس بار یا اڈے کا نام "Hot Crescent" یعنی ''گرم ہلال'' رکھا گیا تھا۔ بار کے پمفلٹ میں ان

طوائفوں کی خصوصیات میں لکھا گیا تھا کہ یہ طوائفیں شراب سمیت کوئی نشہ نہیں کرتیں، سؤر سمیت کوئی حرام نہیں کھاتیں، پانچ وقت نماز پڑھتی اور روزے رکھتی ہیں اور جنسی فعل میں بھی ممنوعہ حرکات نہیں کرتیں۔ پمفلٹ میں لکھا تھا کہ ہم نے اس سلسلہ میں تین علماء کی رائے بھی لی ہے جن کے مطابق اگر آپ ایک عارضی نکاح کے بندھن میں بندھنا چاہیں تو اس کا بھی بندوبست کیا گیا ہے۔ اگر آپ اس سہولت سے فائدہ نہیں اُٹھانا چاہتے تو پھر آپ خاتون سے معاوضہ کے عوض چند لمحوں کے لیے بیوی بننے کا از خود معاہدہ بھی کر سکتے ہیں۔

جعلی 'اسلامی جمہوریت'

یہی وہ تصور ہے جس کی کوکھ سے ہر ناجائز چیز کو اسلامی کرنے کا راستہ نکالا جاتا ہے۔ ایک اسلامی ثقافتی مرکز جس میں رقص و سرود سب کچھ ہوتا ہے اور اسلامی مرکزِ نشاط جس میں بغیر الکحل کے مشروبات کے نام پر سب کچھ بیچا جاتا ہے۔ اس حرام کو حلال بنانے کی شاندار اور قابلِ قبول صورت ''اسلامی جمہوریت'' ہے۔ وہ مغربی جمہوریت جس کی بنیاد ہی عوام کی حاکمیت پر ہے، اسے اللہ کی حاکمیت کا متبادل بنا دیا جائے۔ اسلامی جمہوریت کا تصور دراصل عالمی مالیاتی سودی نظام کے سرمائے سے قائم عالمی جمہوری نظام کی حرام بوتل پر اسلام کا لیبل لگانا ہے۔ جمہوریت کو اسلامی بنا کر خلافتِ عثمانیہ کی تقسیم کے بعد وجود میں آنے والی قومی ریاستوں اور نوآبادیاتی طاقتوں سے آزاد ہونے والی مسلمان ریاستوں کے لیے زبردستی سکّہ رائج الوقت بنا دیا گیا۔

موجودہ نام نہاد اسلامی بینکاری کی تاریخ

خلافتِ عثمانیہ تک مسلمانوں کا اپنا ایک مالیاتی نظام تھا۔ معاشی ماہرین کے نزدیک قسطنطنیہ کا بازار، تاریخ کا وہ آخری بازار تھا جو مکمل طور پر سود، ذخیرہ اندوزی، جوئے اور دلالوں کی منافع خوری سے پاک تھا۔ ''مجلّہ احکامِ عدلیہ'' وہ دستاویز ہے جس میں ایسے تمام قوانین موجود تھے جو کسی بھی معیشت کو مکمل اسلامی بناتے تھے اور یہ مجلّہ قوانین، 1924ء تک خلافتِ عثمانیہ کے زیرِ نگیں علاقوں میں نافذ رہا۔ خلافت کی اس مرکزیت کے ٹوٹنے کے بعد جو ۵۷ اسلامی ممالک وجود میں آئے ان میں دو طرح کے حکمران تخت نشین ہوئے۔ ایک سیکولر ڈکٹیٹر یا بادشاہ اور دوسرے سیکولر نما جمہوریے۔ دنیا جیسے ہی عالمی سودی مالیاتی نظام کے شکنجے

میں آئی تو ان ۵۷ اسلامی ملکوں کے حکمرانوں نے بھی بریٹن ووڈ کے اس بینکاری نظام کو من و عن تسلیم کرلیا۔لیکن عوام کے ہاں عالم وہی تھا کہ وہ پڑھا لکھا مسلمان شہری جو یہ جانتا تھا کہ یہ خالص سود ہے اس کو اس مغربی سودی نظام کے بینکوں سے کراہت آتی تھی۔ عام شہری اس نظام کے اندر ڈوبا ہوا تو تھا مگر وہ اس نظام سے نکلنا بھی چاہتا تھا۔اس ''مسلمان'' کی تسلی و تشفی کے لیے یہ اسلامی بینکاری کا نظام آہستہ آہستہ نافذ کیا گیا۔

اسلامی بینکاری کی ''صنعت'' جو اس وقت ایک ہزار ارب ڈالر سے بھی تجاوز کرچکی ہے اس کا آغاز پچاس اور ساٹھ کی دہائی میں ملائشیا، مصر اور پاکستان میں نفع اور نقصان یعنی PLS کے کھاتوں سے ہوا۔لیکن جیسے ہی ستر کی دہائی میں عرب ممالک میں تیل نکل آیا اور حکومتوں کے ساتھ ساتھ عوام کے پاس بھی بیشمار وافر سرمایہ آنے لگا تو 1975ء میں پہلا دبئی اسلامی بینک کھولا گیا اور ساتھ ہی عالمی بینک کی نقل کرتے ہوئے اکتوبر 1975ء میں جدہ میں اسلامی ترقیاتی بینک (Islamic Development Bank) کا بھی آغاز کردیا گیا۔اس اسلامی مالیاتی بینک کے پاس اس وقت 60 ارب ڈالر سے زائد سرمایہ موجود ہے۔ 1985ء میں مسلمان ممالک میں کام کرنے والے 50 بڑے روایتی بینکوں نے اسلامی بینکاری کے کھاتوں کا آغاز کردیا اور 1990ء تک آتے آتے، تقریباً تمام روایتی بینکوں نے اپنے ہاں اسلامی بینکاری کی کھڑکیاں کھول دیں۔اب اس نظام کو عالمی سطح پر مربوط کرنا مقصود تھا۔اس کے لیے مشرقِ وسطیٰ میں امریکہ کے سب سے بڑے اڈے، بحرین میں 26 فروری 1990ء کو ایک ادارہ قائم کیا گیا جس کا نام (Accounting and Auditing Organization for Islamic Financial Institutions) رکھا گیا۔اس ادارے کے وجود میں آنے کے دس سال کے اندر اندر یعنی 2000ء تک آتے آتے تقریباً 200 کے قریب اسلامی مالیاتی ادارے وجود میں آئے جن کا بنیادی سرمایہ (Capital) 8 ارب ڈالر، کھاتے داروں کی رقم 100 ارب ڈالر اور اثاثے 160 ارب ڈالر سے بھی زیادہ ہوگئے۔فیڈرل شریعت کورٹ نے پاکستان کی اسلامی بینکاری کو اسی ادارے کی سفارشات پر تقریباً جائز قرار دیا ہے۔

ستمبر 2004ء وہ مہینہ تھا کہ جب لندن کے اس شہر میں جہاں سے جدید سودی بینکاری کا آغاز 1694ء میں بینک آف انگلینڈ کے چارٹر سے ہوا تھا وہاں اسلامی بینک آف بریٹن

(Islamic Bank of Britain) کھولا گیا۔ اب مرحلہ یہ تھا کہ سودی نظام سے ملحقہ سٹاک ایکسچینج کو بھی ''مسلمان'' بنایا جائے۔ اس مقصد کے لیے نومبر 2006ء کو دبئی سٹاک ایکسچینج اور دبئی فنانشل مارکیٹ نے اپنے آپ کو پہلے اسلامی بازارِ حصص (Bours) میں تبدیل کر دیا۔ ٹھیک دو سال بعد ایک ایسا مالیاتی بحران آیا جس نے پوری دنیا میں قائم سودی مالیاتی نظام مکمل تباہی کے قریب پہنچا دیا۔ یہ 2008ء کا بدقسمت سال تھا جب دنیا کے شہروں میں روایتی بینکوں کی کھڑکیاں بھی بند ہونے لگیں۔ ایسے میں اسلامی بینکاری نے اس سودی نظام کی ڈوبتی کشتی کو سہارا دیا۔ جنوری 2009ء میں سنگاپور جیسے لامذہب ملک نے پہلے اسلامی بانڈ پروگرام کا آغاز کیا۔ اسی سال فروری میں انڈونیشیا نے شرعی بانڈز یا سکوک کا اجراء کیا اور یوں سادہ لوح مسلمانوں کے سرمائے کو سودی نظام کی گرتی ہوئی عمارت کو بچانے کے لیے استعمال کیا گیا۔ اس چالبازی کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں 2009ء سے 2013ء تک اسلامی بینکوں میں سرمایہ کاری 778 ارب ڈالر تک جا پہنچی اور چار مسلمان ممالک ملائیشیا، انڈونیشیا، ترکی اور پاکستان نے اس ''فن'' میں درجہ کمال حاصل کر لیا۔

'اسلامی بینکنگ' کی جعل سازی

سوال یہ ہے کہ ایک اسلامی بینک کس طرح اپنے بینکاری کے معاملات کو جو ہُو بہو کمرشل بینکوں کی طرح ہی ہیں، انہیں اسلامی بنا کر سادہ لوح مسلمانوں کو مطمئن کرتا ہے؟ ایک اسلامی بینک کیوں اسلامی نہیں ہے؟ اس سوال کا جواب جان فاسٹر (John Foster) نے اپنے مشہور مضمون ''اسلامی معیشت کی ناکامی'' (The Failure of Islamic Finance) میں دیا ہے جو 15 جولائی 2010ء کو شائع ہوا تھا۔ جان فاسٹر مشہور میگزین "Islamic Business and Finance" کا بہت عرصہ ایڈیٹر رہا تھا۔ اس نے اپنے مضمون کا آغاز ہی مولانا تقی عثمانی کے 2008ء میں کہے گئے اس فقرے سے کیا ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ 85 فیصد سکوک یا اسلامی بانڈ غیر اسلامی ہیں۔ جان فاسٹر طنزیہ انداز میں کہتا ہے کہ مولانا تقی عثمانی جو اسلامی بینکاری کے جدِ امجد (Grand Daddy) ہیں، ان کا یہ بیان بالکل ایسے ہی ہے جیسے سرمایہ دارانہ نظام کا جدِ امجد آدم سمتھ یہ کہے کہ آزادانہ معیشت مکمل

طور پر ناکام ہو چکی ہے۔مولانا تقی عثمانی صاحب کے اس بیان کی وجہ سے جان فاسٹر کے نزدیک پوری اسلامی بینکاری کے کرتادھرتا لوگوں میں ایک تشویش کی لہر دوڑ گئی تھی۔

یہ سکوک ہے کیا چیز جسے اسلامی فنانس کی بنیاد بنایا جاتا ہے؟ اس کی مثال یوں ہے کہ پاکستان میں واپڈا یہ چاہتا ہے کہ وہ بہت بڑا ڈیم تعمیر کرے اور اس کے لیے وہ چاہتا ہے کہ سرمایہ کاری مکمل اسلامی طریقے سے ہونی چاہئے۔ایسا طریق کار صرف اسلامی بینک سے سرمایہ حاصل کرنے کی صورت میں ہی موجود ہے۔اس کام کے لیے وہ پہلے ایک کمپنی تشکیل دیتا ہے جسے "Special Purpose Vehicle"(SPV) کہتے ہیں۔اس کے دس ممبران میں سے چھ واپڈا کے اپنے ارکان ہوتے ہیں جبکہ باقی چار عام لوگوں یا سیاسی نمائندگان میں سے لیے جاتے ہیں۔یہ کمپنی اس ڈیم کا ڈیزائن تیار کراتی ہے اور پھر اس پر لاگت کا تخمینہ لگا کر اس ڈیم کی کل مالیت (Valuation) طے کرتی ہے جو تقریباً سو ارب روپے ہے۔اب یہ کمپنی ایک اسلامی بینک کے پاس جاتی ہے کہ ہمیں سو ارب روپے کی سرمایہ کاری چاہئے۔یہ اسلامی بینک سو ارب روپے کے ''سکوک'' یعنی بانڈ جاری کرتا ہے جسے لوگ اس ''دھوکے'' میں خریدتے ہیں کہ جب چند سالوں میں یہ سکوک یا بانڈ پختہ (Mature) ہوں گے تو ان پر انہیں جو بھی رقم زائد ملے گی یا ماہانہ ملتی رہے گی وہ ''حلال'' ہوگی۔سکوک سے حاصل کردہ رقم واپڈا کی بنائی ہوئی کمپنی کو فراہم کردی جاتی ہے جو اسے ڈیم کی تعمیر پر خرچ کرتی ہے۔ڈیم تین سال میں تعمیر ہوجاتا ہے اور اس کے آغاز سے وہ سکوک ''پختہ''(Mature) ہو جاتے ہیں۔چونکہ اس کمپنی نے یہ ڈیم خود نہیں چلانا بلکہ ڈیم تو واپڈا نے چلانا ہے۔اس لیے واپڈا اپنی ہی بنائی ہوئی اس کمپنی سے ڈیم ایک ''فکسڈ'' ریٹ پر کرائے پر لے لیتا ہے اور جب تک وہ ڈیم پر چڑھے قرضے کی قسطیں پوری نہیں کرتا یہ ان اقساط کے ساتھ ساتھ ڈیم کا کرایہ بھی ادا کرتا رہتا ہے۔حیران کن بات یہ ہے کہ یہ کرایہ اسلامی بینک بھی دنیا بھر میں موجودہ شرح سود KIBOR یا LIBOR کو دیکھ کر وصول کرتا ہے۔یوں ان سکوک خریدنے والوں کو مسلسل منافع دیا جاتا ہے جو عموماً ''فکسڈ'' کرائے کی صورت میں حاصل کیا جاتا ہے اور اسے عین ''اسلامی'' منافع قرار دیا جاتا ہے۔

اس سارے گورکھ دھندے کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی بینکاری نے آج تک خود اپنے طور پر کوئی بھی ایسا طریقِ کار (Product or instrument) تیار ہی نہیں کیا بلکہ اس کی تمام تر بنیاد کمرشل بینکوں کے ہی طریقِ کار کو اسلام کا نام دے کر اسے اسلامی بنانے پر ہے۔ مثلاً اسلامی رہن (Mortgage)، اسلامی موٹر قرضہ (Car Leasing)، اسلامی کریڈٹ کارڈ، اسلامی ٹائم ڈیپازٹ، اسلامی تکافل (Islamic Insurance) یہاں تک کہ (Islamic Managed Hedge Funds) وغیرہ۔ یہ تمام کمرشل اور مروّجہ (Conventional) بینکاری کے طریقے ہیں جن پر اسلامی غلاف چڑھایا جاتا ہے۔

مثلاً کمرشل بینکوں کی کار لیزنگ اور اسلامک بینک کی کار لیزنگ میں فرق یہ ہے کہ اگر آپ ایک عام کمرشل بینک سے لیز پر گاڑی لیں گے تو وہ آپ کو صاف صاف بتا دے گا کہ یہ بیس لاکھ کی گاڑی ہے اور پچاس قسطوں میں آپ بائیس لاکھ روپے دیں گے جس میں دو لاکھ روپے سود ہوگا۔ لیکن اسلامی بینک یہ کہتا ہے کہ میں یہ گاڑی خرید کر آپ کو کرائے پر دیتا ہوں اور اس کی گاڑی کی قیمت بیس لاکھ روپے ہے جو آپ پچاس قسطوں میں ادا کریں گے، لیکن چونکہ یہ گاڑی میری ملکیت ہے اس لیے آپ ان قسطوں کے ساتھ ساتھ دو لاکھ روپے کرائے کی بھی قسطیں ادا کریں گے کیونکہ گاڑی تو آپ کی اس وقت ہوگی جب آپ پوری قسطیں ادا کر دیں گے۔ یوں عام سودی بینک بیس لاکھ پر دو لاکھ سود وصول کرتا ہے اور ایک اسلامی بینک الحمدللہ دو لاکھ ''کرایہ'' وصول کر کے عین اسلامی معیشت کو فروغ دے رہا ہوتا ہے۔

یہ فریب دہی دنیا میں تو چل سکتی ہے اور چل بھی رہی ہے لیکن کیا آپ روزِ آخرت اللہ کو اپنے ان حیلوں کا کوئی جواز پیش کر سکو گے؟۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص کسی چیز کی دو قیمتیں مقرر کرے گا، تو یا تو وہ کم قیمت پر بیچے گا اور اگر زیادہ پر بیچے گا تو سود لے گا''۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''ایک عقد میں دو معاملے کرنا سود ہے''۔ (ایک عقد میں دو معاملے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی کہے کہ اگر تم نقد لو گے تو اتنے میں اور اگر اُدھار لو گے تو اتنے میں)۔ اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ ''ایک سودے میں دو معاملے کرنا حلال نہیں کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے،

کھلانے والے، اس کے دونوں گواہوں اور لکھنے والے پر لعنت کی ہے''۔[۱]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، ''اشیاء کی خرید وفروخت میں اُدھار کی صورت جو ساتھ رقم بڑھائی جاتی ہے وہ سود ہے، خواہ یہ صرف ایک بار بڑھائی جائے یا ہر ماہ گزرنے پر اضافہ کیا جائے''[۲]

جس طرح مروّجہ بینکاری نظام کو تباہی سے بچانے کے لیے ایک انشورنس کا مکمل نظام قائم کیا گیا ہے جس میں اگر بینک ڈوبتا ہے تو اسے بچانے کے لیے کھاتے داروں کی صحت، زندگی، مکان، گاڑی وغیرہ کی انشورنس سے جو رقم حاصل کی گئی ہوتی ہے، اس سے بینک کو دوبارہ زندہ کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اسلامی بینکاری کے تحفظ کے لیے باقاعدہ ''اسلامی تکافل'' کا ویسا ہی نظام وضع کیا گیا جو سرمایہ دارانہ معیشت کا ایک جزو لاینفک ہے۔ اس پورے نظام کا تفصیلاً جائزہ لیں تو یوں لگتا ہے جیسے کار پردازانِ سودی بینکاری نے اسلامی غلاف اوڑھ رکھا ہے۔ اسلامی بینکاری دراصل بریٹن ووڈ کے سودی مالیاتی نظام کا ایک زہریلا پھول ہے جو اس نظام کی سب سے بنیادی چیز یعنی مصنوعی اور جعلی غیر اسلامی کاغذی کرنسی کو بھی چیلنج نہیں کرتی اور نہ ہی اسلامی کرنسی، نقدین یعنی چاندی اور سونے کو سرمائے کی بنیاد بناتی ہے۔ جس طرح پوری دنیا نے ڈالر پر ایمان لا کر اسے سٹینڈرڈ مانا ہوا ہے اسی طرح اسلامی بینکاری بھی ڈالر کے ہاتھ پر بیعت کیے ہوئے ہے۔

کتاب کی اہمیت

جدید دور میں اگرچہ مطالعہ کے نئے نئے ذرائع متعارف ہو گئے ہیں اور ٹیکنالوجی کے باعث علم کے حصول میں انقلاب برپا ہو چکا ہے مگر یہ کہنا غلط نہیں کہ کتابوں کی اہمیت وافادیت پھر بھی اپنی جگہ قائم ودائم ہے بلکہ اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ انسان اور کتاب کا رشتہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود انسانی تہذیب وتمدن کا سفر اور علم وآگہی کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔

---

[۱] ابن حبان 242/8

[۲] ابن ابی شیبہ، ابوداؤد، ابن حبان

فکرودانش

مفتاح اسماعیل[1]

پاکستان میں کوئی تبدیلی [خصوصاً اسلامی تبدیلی] ممکن ہی نہیں

کیونکہ ہمارے سماجی، تعلیمی، سیاسی، معاشی اور حربی ڈھانچے میں اس کی گنجائش ہی نہیں اور نہ ہماری دینی قوتیں اس ڈھانچے کو توڑنے کے لیے کچھ کر رہی ہیں

میں نے گزشتہ سال ایک ٹیڈ ایکس ٹاک میں کہا تھا کہ پاکستان کو اسلامک ری پبلک کے بجائے ون پرسنٹ ری پبلک (ایک فیصد لوگوں کا ملک) کہنا چاہیے۔

یہاں پر مواقع، اختیارات اور دولت سب کچھ ایک فیصد افراد تک محدود ہے۔ دیگر کو ایسے مواقع ہی دستیاب نہیں کہ وہ کامیاب ہو سکیں۔ یوں پاکستان کی معیشت کا دارومدار صرف ان چیزوں پر ہوتا ہے جو ملک کی اشرافیہ حاصل کرتی ہے۔ یہ معیشت اس وجہ سے ترقی نہیں کرتی کیونکہ ملک کی اکثریت کی صلاحیتوں کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔

فرض کریں کہ ہم کرکٹ ٹیم میں شمولیت کے لیے صرف ان کھلاڑیوں کا انتخاب کریں جو نومبر کے مہینے میں پیدا ہوئے ہوں۔ ظاہر ہے سا طرح ہم ایک کمزور ٹیم تیار کریں گے کیونکہ اس کا انتخاب صرف ۲ فیصد آبادی سے ہوگا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہماری ٹیم نا جانے کتنے ہی بہترین کھلاڑیوں کی صلاحیتوں سے بھی فائدہ نہ اٹھا پاتی جو ماضی میں گزرے۔ بالکل اسی طرح کی صورت حال بااختیار لوگوں کے انتخاب میں بھی ہوگی اور جس طرح ہماری ٹیم ہارتی رہے گی اسی طرح ہم بحیثیت قوم بھی ہارتے رہیں گے۔

رواں سال تقریباً ۴۰ لاکھ پاکستانی بچے ۱۸ سال کی عمر کو پہنچیں گے۔ ان میں ۲۵ فیصد سے بھی کم انٹرمیڈیٹ کریں گے اور ۳۰ ہزار کے قریب او اے لیول کریں گے۔ ۳۰ لاکھ سے زیادہ یا ۷۵ فیصد بچے ۱۲ سالہ تعلیم بھی مکمل نہیں کر سکیں گے۔ (پاکستان میں تقریباً نصف بچے سکول نہیں جاتے)۔ اے لیول کرنے والے ۳۰ ہزار بچے ہماری بہترین یونیورسٹیوں میں غالب رہیں گے۔ ان میں سے کئی بیرونِ ملک تعلیم حاصل کریں گے اور رہنما بن جائیں

[1] مسلم لیگ (ن) کے سابق وزیر خزانہ کی تحریر۔ عناوین اور اضافے البتہ ہمارے ہیں۔

گے۔ یہ ۱۸ سال کی عمر کے تمام افراد کا ایک فیصد سے بھی کم بنتے ہیں۔ یہی وہ پاکستانی ہیں جن کے لیے پاکستان کام کرتا ہے۔ لیکن معاملہ مزید خرابی کی جانب جارہا ہے۔

پاکستان میں تقریباً ۴ لاکھ سکول ہیں مگر اس کے باوجود کئی سالوں سے ہمارے سپریم کورٹ کے جج حضرات اور کابینہ اراکین کی نصف تعداد صرف ایک سکول سے آتی ہے اور وہ ہے ایچی سن سکول و کالج لاہور۔ کراچی گرامر سکول بے شمار چوٹی کے پروفیشنل اور امیر ترین کاروباری افراد تیار کرتا ہے۔ اگر ہم تین امریکی سکولوں، کیڈٹ کالج حسن ابدال اور چند مہنگے نجی سکولوں کے طلبہ کی تعداد جمع کرلیں تو وہ شاید ۱۰ ہزار کے قرب بنے گی۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ بچوں کی یہ قلیل تعداد مستقبل میں پاکستان کے اندر مختلف شعبوں میں اہم ترین عہدوں پر ہوں گے، بالکل ویسے ہی جیسے آج ان کے والدا ہم عہدوں پر ہیں۔

۵۰ سال قبل ڈاکٹر محبوب الحق نے ان ۲۲ خاندانوں کی نشاندہی کی تھی جو تمام لسٹڈ مینوفیکچرنگ کے دوتہائی اور بینکنگ اثاثوں کے ۸۰ فیصد کو کنٹرول کرتے ہیں۔ یہ دولت کے غیر معمولی ارتکاز کی نشاندہی کرتا ہے۔ آج ہم بھی ایسے کتنے ہی خاندانوں کی نشاندہی کرسکتے ہیں جو قومی دولت کے خاطر خواہ حصے کو کنٹرول کرتے ہیں۔

دولت کا ارتکاز صرف پاکستان میں نہیں ہوتا بلکہ یہ پوری دنیا میں ہی ہوتا ہے اور ترقی پذیر ممالک میں تو خاص طور پر ہوتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ڈاکٹر محبوب الحق کی جانب سے کی گئی نشاندہی کے بعد بھی تقریباً وہی خاندان ہیں جو آج بھی دولت کو کنٹرول کرتے ہیں۔

ایک کامیاب معیشت نئے کاروباری لوگوں کو جگہ دیتی ہے جو نئی اور ابھرتی ہوئی صنعتوں اور ٹیکنالوجی کی نمائندگی کرتے ہیں اور امیر ترین بن جاتے ہیں۔ لیکن پاکستان میں ایسا نہیں ہوتا، یہاں تو اختیار اور مواقع صرف اس اشرافیہ تک محدود ہیں جو کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔

آپ امریکا کے بڑے کاروباری افراد جیسے بل گیٹس، مارک زکر برگ اور جیف بیزوس وغیرہ کو دیکھیں تو ان میں سے کوئی بھی اپنے خاندان کی دولت کے بل بوتے پر اس مقام تک نہیں پہنچا۔ اگر ماضی کی بات کی جائے تو کارنیگی اور راک فیلر اب تجارت اور کاروبار پر غلبہ نہیں رکھتے۔ اگر ماضی قریب کے سابق امریکی صدور کو دیکھیں تو رونالڈ ریگن کے والد ایک سیلز

مین تھے، بل کلنٹن کے والد ایک شرابی تھے اور باراک اوباما کی پرورش ان کی والدہ نے اکیلے کی تھی۔ لیکن یہاں پاکستان میں ہر پاکستانی کی کامیابی کے پیچھے اس کے والد کی حیثیت اور مقام ہوتا ہے۔

پاکستان میں ڈاکٹر کا بچہ ڈاکٹر، وکیل کا بچہ وکیل اور عالم دین کا بچہ عالم دین ہی بنتا ہے۔ یہاں تک کہ گلوکاروں کے بھی گھرانے ہی ہوتے ہیں۔ یہاں ایسے کئی کاروباری، سیاسی، عسکری اور بیوروکریٹک گھرانے موجود ہیں جہاں کئی نسلوں سے سیٹھ، سیاستدان، جنرل اور اعلیٰ افسران پیدا ہوتے رہے ہیں۔ ایسے معاشرے میں ڈرائیور کا بیٹا ڈرائیور، کسی جمعدار کا بیٹا جمعدار اور ایک نوکرانی کی بیٹی نوکرانی بننے تک ہی محدود رہتی ہے۔

ہمارے چوٹی کے کاروباری افراد اور دیگر پروفیشنل صرف انگریزی میڈیم پڑھی لکھی شہری اشرافیہ سے ہی تعلق رکھتے ہیں، ان میں خاص طور پر ان دو سکولوں کے لوگ ہوتے ہیں جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ عام لوگ جن دو بااثر شعبوں میں جاسکتے ہیں وہ بیوروکریسی اور فوج ہیں۔ لیکن ان شعبوں کا نظام بھی کچھ ایسا ہے کہ جب لوگ یہاں اعلیٰ عہدوں پر پہنچ جاتے ہیں تو ان کا طرزِ زندگی بھی اشرافیہ جیسا ہو جاتا ہے اور وہ بالکل نوآبادیاتی دور کے گورا صاحب بن جاتے ہیں اور یوں وہ بیٹ مین، نائب قاصد اور نوکرانیوں جیسے عام لوگوں کی زندگیوں سے بالکل کٹ جاتے ہیں۔

سیاسی قوت بھی سیاسی جماعتوں میں نہیں بلکہ سیاسی شخصیات میں ہوتی ہے۔ پاکستان میں سوائے ایک مذہبی سیاسی جماعت کے یہاں کوئی جماعت ایسی نہیں جس کے سربراہ کو تبدیل کیا گیا ہو۔ یہاں مقامی سطح تک کی سیاست بھی شخصیات کی بنیاد پر ہوتی ہے، یہاں سیاستدان ان 'الیکٹیبلز' گھرانوں سے آتے ہیں جہاں ماضی میں والد اور دادا بھی منتخب ہوتے رہے ہوں۔

آخر اس بات میں کسی قسم کی حیرانی کیوں ہے کہ پاکستان کو کوئی نوبیل انعام نہیں ملا؟ ہم اپنے ایک فیصد سے بھی کم بچوں کو ہی صحیح طریقے سے تعلیم دیتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں کہ ہمارے پاس باصلاحیت اور ذہین لوگ نہیں، بالکل ہیں لیکن ہمارے اکثر ذہین بچے سکول نہیں جاتے۔ ان میں اتنی صلاحیت موجود ہوتی ہے کہ وہ ماہر طبعیات اور ماہر معاشیات کے طور پر کام کرسکتے ہیں لیکن وہ کسی نوکر یا دھوبی کے طور پر کام کررہے ہوتے ہیں۔ پاکستان ہمارے لوگوں کی صلاحیتوں اور عزائم کا قبرستان ہے۔

یونیسیف کے مطابق پاکستان میں ۵ سال سے کم عمر ۴۰ فیصد بچے جسمانی نشوونما میں میں ٹھہراؤ کا شکار ہیں (جو مسلسل غذائی قلت کا اشارہ ہے)، ۱۸ فیصد وزن کی کمی کا شکار ہیں (جو غذائی قلت کی وجہ سے وزن میں تیزی سے ہونے والی کمی کا اشارہ ہے) جبکہ ۲۸ فیصد بچوں کا وزن معمول کے وزن سے کم ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہمارے ۸۶ فیصد بچے اکثر راتوں کو بھوکے ہی سوتے ہیں۔ جنوبی ایشیا میں یہ وہ بچے ہیں جو اپنی پانچویں سالگرہ سے قبل موت کے خطرے سے سب سے زیادہ دوچار ہیں۔ یہ ہے ہماری حقیقت۔

اگر آپ سوشل کلبوں اور گالف کلبوں کے رکن ہیں تو آپ کے لیے پاکستان بہت اچھا ہے لیکن اگر آپ کوئی بھوک کے ستائے ہوئے بچے ہیں، غریب ہاری ہیں، مدرسے کے طالب علم ہیں، روز کی دیہاڑی کمانے والے ایک والد ہیں یا دوسروں کے بچے پالنے والی آیا ہیں تو اس ملک میں آپ کو بہت مشکل ہوگی۔ پاکستان متوسط طبقے کے خاندانوں کے لیے نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک میں عدم اطمینان غالب رہتا ہے۔

یہاں کامیابی کی اصل بنیاد آپ کے والد کی حیثیت ہے، آپ کی ذہانت اور آپ کا کام کرنے کا طریقہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ ہاں کچھ لوگ اشرافیہ کا حصہ بننے میں کامیاب ہوجاتے ہیں لیکن وہ لوگ دراصل اس اصول کو ثابت ہی کرتے ہیں۔

اس پورے رجحان کی وجہ سے دولت ایک سے دوسری نسل تک منتقل ہوتی ہے اور دیگر لوگ اس میں شامل نہیں ہوتے۔ یہی چیز پاکستان کو غریب رکھے ہوئے ہے اور یہی وجہ ہے کہ اشرافیہ میں دولت کے ارتکاز کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہمیں بحیثیت قوم ترقی کرنی ہے تو ہمیں ایک نیا معاشرتی نظام تیار کرنا ہوگا۔

البرہان

مفتاح اسماعیل صاحب کے تجزیے سے ظاہر ہے کہ پاکستان کے موجودہ سماجی، سیاسی، تعلیمی، معاشی اور حربی ڈھانچے کو توڑے بغیر معاشرے میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی۔ اور دینی قوتیں چونکہ اس اجتماعی ڈھانچے کو توڑنے کے لیے کوئی کوشش کر ہی نہیں رہیں تو ملک میں کوئی اسلامی تبدیلی کیسے آسکتی ہے؟ کوئی ہے جو یہ سوچے؟

تزکیۂ نفس

سید خالد جامعی

ہم خیر القرون جیسا معاشرہ کیوں نہیں چاہتے ؟(۲)

یہ ہماری اور ہمارے دینی حلقوں کی نالائقی اور بدقسمتی ہے کہ ہم اپنے معاشرے کو 'خیر القرون' جیسا معاشرہ بنانے کو تیار نہیں اور نہ اس کے لیے کوشاں ہیں

حضرت زینبؓ کے بارے میں ام المومنین ام سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ کی گواہی ہے کہ بہت صالحہ، کثرت سے روزہ رکھنے والی اور شب بیدار تھیں ۔[۱] میں نے ان سے زیادہ دیندار، متقی و پرہیزگار، سچ بولنے والی، صلہ رحمی کرنے والی، صدقہ کرنے والی اور اپنی جان کو نیکی اور تقرب الی اللہ کے کاموں میں زیادہ کھپانے والی کوئی عورت نہیں دیکھی ۔[۲] کیا عہد حاضر کی کوئی دینی ساس، بہو اور سوکن ایک دوسرے کے بارے میں کبھی اس طرح کے کلمات دیانتداری سے ادا کرسکتی ہے؟ اس معاشرت کی عدم موجودگی میں اسلامی انقلاب کے کیا معنی ہیں؟ حضرت زینب کوتاہ قامت تھیں اور ان کے ہاتھ بھی اسی لحاظ سے چھوٹے تھے لیکن سخاوت ، انفاق، کارِ خیر میں ان کے ہاتھ لمبے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" قال لنا اسرعکن لحوقاً اطوالکن باعاً فبشرها بسرعة لحوقها به وهي زوجته في الجنة۔"[۳]

رسول اللہ نے ان کے بارے میں یہ خوشخبری دی کہ ازواج مطہرات میں میری وفات کے بعد سب سے پہلے میرے پاس آنے والی میری وہ بیوی ہوگی جو سب سے زیادہ لمبے ہاتھوں والی ہوگی (یعنی کارِ خیر میں بہت خرچ کرنے والی) اور وہ جنت میں بھی رسول اللہ کی بیوی ہیں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہاتھ ناپا کرتی تھیں اور آپ کے فرمان اطوالکن باعاً کا ظاہری مطلب ہی لیتی تھیں لیکن جب رسالت

---

[۱] زرقانی شرح مواہب

[۲] صحیح مسلم باب فضائل عائشہ

[۳] سیر الاعلام النبلاء، ج ۲، ص ۲۱۵

مآب ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلے حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو ازواج مطہرات کو اطوالکن باعاً کا مطلب سمجھ میں آیا یعنی سب سے زیادہ سخی اور فیاض۔ اور تمام ازواج مطہرات کی گواہی ہے کہ واقعی ام المومنین زینبؓ ہم سب میں سب سے زیادہ سخی اور فیاض تھیں۔ حضرت زینبؓ کی فیاضی کس درجے کی ہوگی اس کے لیے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام المومنین سودہ بنت زمعہؓ کی فیاضی کے صرف دو واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے درہموں سے بھری ہوئی ایک تھیلی ان کی خدمت میں بھیجی۔ تھیلی حضرت سودہؓ نے لی اور سب درہم ضرورت مندوں پر تقسیم فرما دیئے۔

حضرت عروہؓ کی روایت ہے کہ میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ حضرت عائشہؓ نے ستر ہزار درہم صدقہ کیے اور ان کے اپنے کرتے میں پیوند لگا ہوا تھا۔ یقیناً یہ ازواج فیاضی میں حضرت زینبؓ سے کم ہوں گی تو اندازہ کیجیے کہ حضرت زینبؓ کی فیاضی کس درجے کی ہوگی؟ کیا عہد حاضر کے دینی گھرانوں میں ایسی فیاض عورتیں موجود ہیں؟ عہد حاضر کی دینی مزاج عورتیں اتنی دنیادار اور اس قدر دنیا کی حریص ہیں کہ اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا تمام وقت صرف کپڑے بنانے، کھانے پینے اور گھومنے پھرنے کے لیے وقف ہے۔ ایسی ماؤں کی گود سے قرن اول کی نسل کیسے پیدا ہو سکتی ہے؟ جب وہ مائیں ہی مفقود ہیں تو قرن اول کا معاشرہ روئے زمین پر کیسے ظہور کر سکتا ہے؟ رسالت مآب ﷺ نے حضرت زینبؓ کے بارے میں حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ زینب کو کچھ نہ کہو اس لیے کہ وہ اوھہ ہیں۔ کسی صحابی نے اوھہ کا مطلب دریافت کیا تو فرمایا کہ اوھہ کے معنی ہیں خشوع و خضوع کرنے والی اور آپ نے آیت کریمہ پڑھی: ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ﴾ ردبار اور خشوع و خضوع کرنے والے اور اللہ کی طرف توجہ کرنے والے۔

حضرت زینبؓ کی وفات پر حضرت عائشہؓ نے کہا تھا: ذهبت حميدة سعيدة مفزع اليتامى والارامل ایک ستودہ صفات، نیک بخت اور یتیموں و بیواؤں کی سہارا عورت دنیا سے رخصت ہوگئی۔ ایسی نیک بخت عورتوں کی کثرت کے بغیر نہ اسلامی خاندان بن سکتا ہے اور نہ اسلامی معاشرت جنم لے سکتی ہے۔ افسوس کہ کسی اسلامی تحریک کے نصاب، نظام تعلیم و تربیت میں ایسی عورتوں کی تعمیر و تشکیل و تربیت کا کوئی تصور تک موجود نہیں ہے۔ قرن اول میں گفتگو کا انداز کیا تھا؟ حفظ مراتب کیسے ملحوظ رکھے جاتے تھے؟ اس کا تصور بھی آج محال

ہے۔ رسالت مآب ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ عمر میں آپ ﷺ سے دو سال بڑے تھے لیکن جب بھی کوئی آپ سے سوال کرتا کہ آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ ﷺ تو وہ جواب میں کہتے کہ: "هو اكبر وانا ولدت قبله"[۱] یعنی بڑے تو رسول اللہ ﷺ ہی ہیں ہاں پیدا پہلے میں ہوا تھا۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں قحط پڑ گیا تھا تو حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے بارش کی دعا کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے درخواست قبول کی اور اللہ نے بارانِ رحمت نازل فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حبر الامت انہی حضرت عباسؓ کے صاحب زادے تھے۔ وصالِ نبوی ﷺ کے وقت آپ کی عمر صرف تیرہ برس تھی۔ رسالت مآب ﷺ نے حضرت عباسؓ کی اولاد اور ان کے لیے دعا فرمائی تھی۔

"اللّٰهم اغفر للعباس وولده مغفرة ظاهرة وباطنة لا تفادر ذنبه۔ اللّٰهم احفظه في ولده"[۲]

اے اللہ! عباسؓ اور ان کی اولاد کے تمام ظاہری و باطنی گناہ معاف فرما دیجیے اور اے اللہ! ان لوگوں کی ایسی مغفرت فرما دیجیے کہ کوئی گناہ باقی نہ رہے۔ اے اللہ عباسؓ کی حفاظت فرما ان کی اولاد کے بارے میں۔

اس دعا کا اثر یہ تھا کہ حضرت ابن عباسؓ علم و حکمت، تفقہ فی الدین اور علم تفسیر القرآن میں ممتاز تر تھے۔ رسالت مآب ﷺ نے ایک بار آپ کے لیے دعا فرمائی: "اللّٰهم فقّه في الدين وعلّمه التاويل۔"[۳] اے اللہ ان کو تفقہ فی الدین اور علم تاویل عطا فرما۔

جامع ترمذی میں روایت ہے ابن عباس کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے اپنے سینۂ مبارک سے چمٹا لیا اور دعا فرمائی "اللّٰهم علمه الحكمة"[۴] ان کی کم عمری کے باوجود حضرت ابن عباسؓ کے تفقہ فی الدین کو تمام صحابہ کرامؓ اہمیت دیتے۔ حفظ مراتب میں عمر نہیں علم اور عمل

[۱] سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۸۰
[۲] جامع ترمذی: ۳۷۶۲
[۳] مسلم، ج ۲، ص ۲۸۹، باب فضائل عبداللہ بن عباسؓ، اصابہ ج ۴، ص ۱۴۳
[۴] جامع ترمذی، ج ۲، ص ۲۲۳، وصحیح بخاری باب ذکر ابن عباسؓ

مراتب کا تعین کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ فرماتے تھے "ذلك فتى الكهول له لسان سئول وقلب عقول"[۱] یہ ایسے نوجوان ہیں جنھیں پختہ عمر لوگوں کا فہم وبصیرت حاصل ہے۔ ان کی زبان علم کی جویا اور قلب عقل کی محافظ ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ حاضر دماغ، عقل مند، صاحب علم، حلیم و بردبار شخص نہیں دیکھا۔ حضرت عمرؓ مشکل مسائل کو حل کرنے کے لیے حضرت عباسؓ کو بلاتے اور کہتے ایک مشکل مسئلہ پیش آیا ہے پھر ان کے قول کے مطابق ہی عمل کرتے حالانکہ ان کی مجلس میں بدری صحابہ بھی موجود ہوتے تھے۔ "فيقول قد جاءت معضلة ثم لا يجاوز قوله وان حوله لاهل بدر"[۲] لہٰذا حضرت عباسؓ کو کم عمری کے باوجود حضرت عمرؓ اکابر صحابہ، بدری صحابہ کے ساتھ بٹھاتے تھے۔ یہ مقام ابن عباسؓ کو دین کے لیے محنت سے ملا اور محنت کا طریقہ کیا تھا حضرت عباسؓ کی زبان مبارک سے ان کے الفاظ میں سنیے کہ:

''میں نے خود اکابر صحابہ کرامؓ کے پاس جا جا کر رسول اللہ کی احادیث اور دین کا علم حاصل کرنا شروع کر دیا۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ کی ایک حدیث فلاں صحابی کے پاس ہے ان کے گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ قیلولہ کر رہے ہیں۔ یہ سن کر میں نے چادر بچھائی اور ان کے دروازے کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔ ہواؤں نے میرے سر اور جسم پر گرد و غبار لا کر ڈال دیا۔ اتنے میں وہ صحابی نکل آئے اور مجھے اس حال میں دیکھ کر کہا آپ رسول اللہ ﷺ کے بھائی ہیں۔ آپ مجھے بلا لیتے میں حاضر ہو جاتا۔ آپ نے کیوں زحمت فرمائی؟ میں نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے میں وہ حدیث آپ سے حاصل کرنے آیا ہوں اور اس کام کے لیے میرا آنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ اس جد و جہد، دلچسپی، کوشش، خشوع وخضوع اور احترام علم واکرام حدیث کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکابر صحابہ کی رحلت کے بعد لوگ طلب علم کے لیے حضرت ابن عباسؓ کے پاس آنے لگے۔''[۳] (جاری ہے)

---

[۱] سیر اعلام النبلاء، ج ۳، ص ۳۴۵
[۲] سیر اعلام النبلاء، ج ۳، ص ۳۴۷
[۳] مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۲۷۷، وتذکرہ الحفاظ ج ۱، ص ۴۳

سندھ ہائیکورٹ نے نصاب میں قرآن شامل کرنے کی درخواست مسترد کردی

بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہ ہوتو عدالت نصاب کی تبدیلی کا حکم نہیں دے سکتی

ہماری نظر میں ایمان کا معاملہ ذاتی ہے، اس میں مداخلت نہیں کی جاسکتی۔ عدالتی حکم نامہ

کراچی (اسٹاف رپورٹر) سندھ ہائیکورٹ نے صوبے میں پرائمری سے کالج تک نصاب میں قرآن پاک مع ترجمہ شامل کرنے کی درخواست مسترد کردی۔ جمعہ کو سندھ ہائیکورٹ نے صوبے میں پرائمری سے کالج تک نصاب میں قرآن پاک مع ترجمہ شامل کرنے کی درخواست پر محفوظ فیصلہ سنادیا۔ عدالت نے سندھ میں کالج تک نصاب میں قرآن پاک مع ترجمہ شامل کرنے کی درخواست مسترد کردی ہے۔ درخواست گزار ایڈوکیٹ امتیاز علی نے عدالت سے استدعا کرتے ہوئے مؤقف پیش کیا تھا کہ پنجاب اسمبلی نے صوبے میں قرآن پاک نصاب میں شامل کرنے کی منظوری دی ہے، سندھ میں بھی پنجاب کی طرز پر قرآن پاک کو نصاب میں شامل کیا جائے اور تعلیمی نصاب میں قرآن پاک کی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔

عدالت نے درخواست پر محفوظ فیصلہ سنادیا اور اپنے تحریری حکم نامے میں کہا ہے کہ آئین میں عدلیہ، مقننہ اور انتظامیہ تینوں ستونوں کے درمیان توازن رکھا گیا ہے۔ بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہ ہوتو عدالت نصاب کی تبدیلی کا حکم نہیں دے سکتی۔ ہماری نظر میں ایمان کا معاملہ ذاتی ہے اس میں مداخلت نہیں کی جاسکتی۔ عدالتی حکم نامے میں کہا گیا ہے کہ آئین منفی اور مثبت دونوں طرح کے حقوق دیتا ہے۔ منفی حقوق ریاست کو پابند کرتے ہیں کہ شہریوں کے ذاتی معاملات میں مداخلت نہ کرے، شہری اپنے حقوق کو مرضی کے مطابق استعمال کرسکتا ہے۔ حکم نامے کے مطابق آئین کا آرٹیکل 20 شہریوں کو مذہبی آزادی دیتا ہے، اور ریاست کو پابند بناتا ہے کہ کسی کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کرے۔

(روزنامہ اسلام ۱۷ر دسمبر ۲۰۲۲ء)

خودنوشت مدیر

میں نے زندگی سے کیا سیکھا؟ (۱۱)

اِک شجر سایہ دار تھا، نہ رہا

* میرے بڑے بھائی جان پروفیسر محمد اسحٰق صاحب ۸ نومبر ۲۰۲۲ء کو مسافرِ خلدِ بریں ہوئے۔ اِنّا للہ و انا الیہ راجعون۔ وہ ہم پانچ بھائیوں میں تیسرے نمبر پر تھے۔ مَیں سب سے چھوٹا ہوں۔ ان کی عمر ۸۰ برس سے زیادہ تھی۔ اب ہم آخری دو ہی حیات ہیں۔

* دو اڑھائی ماہ پیشتر جب اچانک ان کی زیادہ بیماری کی اطلاع ملی (بڑھاپے میں بیماریاں تو ظاہر ہے ہر آدمی کے ساتھ چلتی رہتی ہیں اور آدمی دوا دارو کر کے زندگی کا سفر جاری رکھتا ہے) تو مَیں ان کی تیمار داری کے لیے ان کے پاس حاضر ہوا۔ وہ بحریہ ٹاؤن (لاہور) میں اپنے چھوٹے بیٹے حافظ محمد نافع کے ساتھ رہتے تھے۔ اس نے بتایا کہ ابو ہسپتال جانے کے لیے تیار نہیں۔ مَیں نے شور شرابا کر کے انہیں اسی وقت ہسپتال بھجوایا (آخری عمر میں کچھ اونچا سننا شروع ہو گئے تھے)۔ میری تشویش پر محمد نافع نے ایک طرف لے جا کر مجھے سرگوشی میں بتایا کہ ان کی پراسٹیٹ کی تکلیف کینسر کی شکل اختیار کر چکی ہے اور اب وہ پھیل کر دوسرے اعضاءِ رئیسہ کو متاثر کر رہا ہے۔ تو مَیں اپنے فرشتوں جیسے بھائی کی آخری زندگی کی تکلیف کا تصور کر کے بہت آزردہ ہوا اور جب مجھے تنہائی ملی تو مَیں جی بھر کے رویا، اتنا کہ ان کے انتقال پر بھی اتنا نہیں رویا۔ مجھے یقین ہے کہ انہوں نے جس طرح کی عبادت و اطاعت کی مومنوں جیسی زندگی گزاری، اللہ تعالیٰ نے ضرور ان کی بخشش فرما دی ہوگی اور انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ دی ہوگی، ان شاء اللہ۔

* میرے آباؤ اجداد سارے مذہبی لوگ تھے۔ جو زبانی روایت خاندان میں چلی آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے خاندان کے بڑے گجرانوالہ کے قریب کسی گاؤں کے رہنے والے تھے اور بھٹی راجپوت برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ حرب و ضرب کے کسی واقعے کی وجہ سے وہ کشمیر چلے گئے اور مدتوں وہاں رہنے کے بعد ان کی نسل سے کوئی صاحب واپس پنجاب آئے اور ضلع گجرات میں کھاریاں کے قریب موضع دِلّو میں سکونت پذیر ہوئے اور وہاں سے پانچ

نسلیں پیشتر خاندان کے ایک بزرگ قریب کے ایک گاؤں بوریانوالی میں منتقل ہو گئے۔ وہ مسجد میں امام اور معلم مقرر ہوئے اور انہیں گزر بسر کے لیے آٹھ ایکڑ زمین دی گئی۔ کاشت کاری کو انہوں نے ذریعۂ روزگار بنایا اور اہل دیہہ کی دینی خدمت جاری رکھی۔ ہمارے خاندان کے اکثر بزرگ حافظ تھے۔ مُیسّر شجرہ نسب اس طرح ہے: پروفیسر محمد اسحٰق ولد میاں رحمت خاں ولد میاں محمد ولد میاں غلام نبی ولد حافظ میاں محمد مقبول ولد حافظ میاں عبدالصبور۔

* غالباً ہماری روایتی دین داری اور مذہب پسندی کے کھوکھلے پن نے میرے والد مرحوم میاں رحمت خاں کی نسل میں تصوف کی ایک شدید لہر ابھاری اور میرے بڑے بھائی محمد اسماعیل (مرحوم) اور ان سے چھوٹے محمد ابراہیم (مرحوم) دونوں یکے بعد دیگرے سرکاری ملازمتیں چھوڑ کر درویش اور تارک الدنیا ہو گئے۔ سب سے بڑے محمد اسماعیل جو مشرقی پاکستان رائفلز (رینجرز کی طرح کی نیم فوجی فورس) میں تھے اور وہاں سے واپسی پر گھر آنے کی بجائے ضلع گجرات میں ہی ملکوال کے قریب ایک گاؤں 'کلس شریف' کے ایک صابری پیر و مرشد (پیر سید سیدن شاہ (مرحوم)، جن کے مریدوں نے ان کے نام کی ایک بستی لاہور میں بھی قائم کر رکھی ہے) کے ہاں چلے گئے۔ والدین ان کی گم شدگی سے کئی سال پریشان اور روتے رہے اور کئی سال بعد ان کے زندہ ہونے اور درویش بن جانے کے بارے میں پتا چلا۔ بھائی اسماعیل صاحب بڑی مشکل سے نارمل زندگی کی طرف واپس آئے اور اس درویشی کے اثرات ان پر ہمیشہ باقی رہے۔

ان سے چھوٹے محمد ابراہیم (مرحوم) سندھ بارڈر فورس میں تھر میں تعینات تھے۔ وہ بھی نوکری چھوڑ چھاڑ کر درویش ہو گئے۔ کچھ عرصہ حیدرآباد کی ایک درگاہ میں رہے اور پھر بھبھوت ملی اور سیلانی ہو گئے۔ ملک بھر کے صوفی بزرگوں کے مزارات کے علاوہ ایران، بھارت اور مشرقی پاکستان کے پیدل سفر کیے اور وہاں کے مزارات پر حصول فیض کے لیے گئے۔

ان دونوں بھائیوں کے اس رویے کو تلاشِ حق اور ذات باری کو پانے کی جستجو کے علاوہ کوئی نام نہیں دیا جاسکتا جو ہر انسان کے اندر جبلی طور پر (Built in) موجود ہوتی ہے۔ جس طرح کی ''اسلامیت'' ہمارے معاشرے میں پائی جاتی ہے، وہ بالعموم سطحی ہے۔ بعض ذہین طبائع کی اس سے تشفی نہیں ہوتی اور وہ تلاش ذات اور تلاش حق میں بھٹک جاتے ہیں اور دنیا

داروں کی نظر میں Derail ہوجاتے ہیں۔ مَیں بھائی ابراہیم (مرحوم) کے اخلاص کی ایک مثال دیتا ہوں (جنہیں لوگوں نے ''سائیں'' کہنا شروع کر دیا تھا) کہ ایک دفعہ وہ بڑے عرصے بعد رات کے وقت گھر آئے۔ ہم اُس وقت تک گاؤں بوریانوالی میں تھے (ہمارا خاندان گاؤں سے لالہ موسیٰ ۱۹۶۵ء میں شفٹ ہوا)۔ امی (مرحومہ) صحن میں صبح کے وقت لکڑی کے چولہے پر ناشتہ بنا رہی تھیں، پراٹھے اور رات کا سالن۔ مَیں بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا کہ بھائی ابراہیم وہاں آ گئے۔ امی نے انہیں بھی ناشتہ کرنے کے لیے کہا اور وہ بھی چولہے کے پاس آ کر پیڑھی پر بیٹھ گئے۔ جب روٹی سالن کھانے لگے تو کہنے لگے: آج دو ہفتے بعد کھانا نصیب ہوا ہے۔ امی افسوس سے کہنے لگیں کہ جب نوکری چھوڑ دی ہے اور گھر پہ بھی نہیں رہنا تو مانگ لیا کرو۔ بھائی کو یہ بات بہت بُری لگی، ہاتھ سے لقمہ چھوڑ دیا اور کہا: مَیں کوئی گداگر ہوں کہ لوگوں سے مانگ لیا کروں۔

* بڑے دونوں بھائیوں کی اس درویشی کا ردِّعمل یہ ہوا (یہ گہرا نفسیاتی اور روحانی مسئلہ ہے کہ یہ ردِّعمل کیسے ہوا؟ یہ کتنا شعوری اور کتنا لاشعوری تھا اور اس میں کتنا ہمارا دخل تھا اور کتنا مشیت کا؟) کہ بھائی جان اسحٰق صاحب نوجوانی ہی میں جماعت اسلامی کی طرف چلے گئے۔ مَیں نے جب ہوش سنبھالا، سکول جانا شروع کیا اور پڑھنے کے قابل ہوا تو گھر میں جماعت اسلامی کا لٹریچر خصوصاً مولانا مودودیؒ کے کتابچے 'بناؤ اور بگاڑ'، 'کلمہ طیبہ کے معنی' اور 'شہادت حق' وغیرہ پڑھنے کو پائے۔ مجھے یاد ہے کہ بھائی جان کے ایک دوست تھے چوہدری عدالت خان، ان کے گھر پولیس کا چھاپا پڑا اور جماعت کی کتابیں ضبط کر لی گئیں تو ہمارے گھر میں خدشہ ہوا کہ شاید ہم پر بھی چھاپہ پڑے لیکن ایسا نہ ہوا۔ یہ غالباً پچاس کی دہائی کے آخر کی بات ہے (کیونکہ میری پیدائش ۱۹۴۷ء کی ہے اور مَیں نے آٹھویں جماعت کا بورڈ کا امتحان ۱۹۶۱ء میں مڈل سکول جنڈانوالہ سے پاس کیا تھا)۔ بھائی جان اسحٰق صاحب کی وجہ سے مَیں بھی جماعت اسلامی کی فکر سے متاثر ہو گیا اور مجھ سے بڑے بھائی (اور اسحٰق بھائی سے چھوٹے) محمد یوسف صاحب بھی۔

* اسحٰق بھائی سیلف میڈ آدمی تھے۔ گھر والے کمزور مالی حالت کی بناء پر انہیں بمشکل ایف اے ہی کرا سکے۔ اس کے بعد انہوں نے سکول میں تدریس کی ملازمت کے ساتھ

پرائیویٹ طور پر تعلیم جاری رکھی، پنجاب یونیورسٹی سے اسلامیات اور عربی میں ایم اے کیا اور گورنمنٹ کالج بھلوال میں اسلامیات کے لیکچرر مقرر ہو گئے۔ بعد میں مزید اسلامی مطالعے اور غور وفکر کے بعد وہ جماعت اسلامی سے لاتعلق ہو گئے۔ مجھ سے بڑے صوفی محمد یوسف صاحب اب بھی جماعت اسلامی کے رکن ہیں اور ان کی بعض بچیاں بھی جماعت کی فکر سے وابستہ ہیں۔

اتفاق دیکھیے کہ ہمارے گھر کی یہ دو فکری اور مذہبی لہریں (تصوف اور جماعت اسلامی) میری ذات کی صورت میں یکجا ہو گئیں (مَیں پھر عرض کروں گا کہ یہ تجزیہ کرنا مشکل ہے کہ یہ عمل شعوری ہے یا لاشعوری اور اس میں ہمارا کتنا دخل ہے اور مشیت کا کتنا؟) مَیں جوانی میں جماعت اسلامی سے وابستہ رہا تاہم بالآخر مَیں نے بھی جماعت کو چھوڑ دیا اور تزکیہ وتصوف کی طرف مائل ہو گیا لیکن بڑے بھائیوں کی طرح مَیں نہ تو نارمل زندگی سے Derail ہوا اور نہ روایتی تصوف مجھے Fascinate کر سکا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب مَیں اپنی اصلاح کے لیے تلاش مرشد میں تھا (میں ۱۹۸۶ء میں دینی تعلیم کے بعد سعودی عرب سے پاکستان واپس آنے کے بعد کی بات ہے) تو اقبال اکیڈمی میں جناب احمد جاوید صاحب سے پہلی دفعہ میری ملاقات ہوئی (احمد جاوید صاحب بطور شاعر، ادیب، فلسفی، دانشور اور مقرر زیادہ معروف ہیں حالانکہ ان کی بنیادی حیثیت مربی کی ہے۔ وہ تزکیہ وتصوف کے قدیم وجدید علوم ومعارف کے شناور اور تربیت یافتہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے، آمین) تو مَیں نے ان سے کہا کہ جناب مَیں علوم اسلامیہ وعربیہ کا استاد ہوں، ساری زندگی دین پڑھا اور پڑھایا ہے لہٰذا مجھے پتا ہے کہ دین کیا ہے اور مَیں آپ سے دین سیکھنے نہیں آیا اور آپ مجھے سکھانے کی کوشش بھی نہ کریں ورنہ ہم خوامخواہ بحث مباحثے میں اُلجھ جائیں گے (جاوید صاحب میری بات سن کر خوب مسکرائے) مَیں نے اپنی بات جاری رکھی اور کہا کہ مَیں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ مَیں محسوس کرتا ہوں کہ دینی اعمال کے جو اثرات مجھ پر پڑنے چاہئیں وہ نہیں پڑ رہے۔ مثلاً مَیں نماز پڑھتا ہوں لیکن اس میں وہ خضوع وخشوع نہیں ہے جو ہونا چاہیے اور مَیں اپنی کوشش سے یہ پیدا بھی نہیں کر سکا تو اس میں آپ میری مدد کریں۔

احمد جاوید صاحب نے روٹین کی طرح نہ تو مجھے بیعت کیا اور نہ نقشبندی اسباق سے

گزارا۔ بس صحبت اور ذکر کی تلقین کی۔ آج اس بات کو بھی طویل مدت گزر چکی۔ مَیں اپنی اصلاح،تزکیۂ نفس اور باطنی احوال سے مطمئن تو نہیں ہوں (اوراس کے لیے مَیں زیادہ تر اپنے آپ ہی کو ذمہ دار ٹھہراتا ہوں، گو تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے) لیکن یہ بہر حال ہوا ہے کہ اللہ نے اپنے کرم وفضل سے غفلت سے بچالیا ہے، اصلاح کی فکر دامن گیر رہتی ہے اوراس کے لیے کوشاں بھی رہتا ہوں (اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس ٹوٹی پھوٹی کوشش ہی کو قبول فرمالے اور قبر وحشر ومیزان کے عذاب سے بچا کر اپنے نیک بندوں کے ساتھ آخرت میں ملادے، آمین یاربّ العٰلمین۔

اس رویے کے دو اثرات مجھ پر پڑے۔ ایک تو رخ 'تجدد' کی طرف جانے کی بجائے 'روایت پسندی' کی طرف مڑ گیا اور دوسرے تزکیۂ نفس، تعمیر سیرت، تربیت اور اصلاح کو میرے فکر وعمل میں اہم حیثیت حاصل ہوگئی۔ میں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ قرآن حکیم (اور سنت رسول) ہماری سیرت کی تعمیر کس طرح کرنا چاہتے ہیں اور کیسے کرنا چاہتے ہیں؟ اس سوال نے ایک تحقیقی پراجیکٹ کی صورت اختیار کرلی اور میں نے پنجاب یونیورسٹی سے دوسری ڈاکٹریٹ 'اسلام اور تعمیر شخصیت۔ اسلام اور مغربی فکر میں ایک تقابلی مطالعہ' کے موضوع پر کی جو 'اسلام اور تزکیۂ نفس' کے نام سے ۹۳۸ صفحات کی ایک مبسوط کتاب کی صورت میں شائع ہو چکی ہے۔ اس پر مجھے مزید کام کی توفیق بھی ہوئی ہے۔ 'اسلام اور تزکیۂ نفس۔ بنیادی مباحث' سوالاً جواباً ایک کتابچہ ہے۔ 'اپنی اصلاح آپ کیسے؟ ایک اور کتابچہ ہے۔ 'عصر حاضر میں تعمیر سیرت۔ اسلامی تناظر میں' ۳۵۰ صفحات کی کتاب پریس جارہی ہے اور احمد جاوید صاحب کے ساتھ مل کر کیا گیا کام 'ترکِ رذائل' بھی مطبوعہ موجود ہے۔ بعض احباب نے مجھے تربیتی نشستیں منعقد کرنے کی تجویز دی ہے لیکن طبیعت اس پر مائل نہیں ہوئی البتہ مَیں نے ایک نئی طرز کی تربیت گاہ کا تصور اپنی تحریروں میں ضرور پیش کیا ہے (جو گویا جدید طرز کی ایک خانقاہ ہوگی)۔ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا اور ایسی تربیت گاہ قائم ہوگئی تو ان شاء اللہ اس پر ضرور کام کرنے کا ارادہ ہے۔

* معاف کیجیے گا بات طویل ہوگئی اور دوسری طرف نکل گئی۔ دراصل مَیں نے بڑے

بھائیوں کی درویشی اور ترک دنیا کا ذکر اس لیے چھیڑا تھا کہ یہ بتا سکوں کہ بڑے بھائیوں کے اس رویے کی وجہ سے گھر کا سارا معاشی بوجھ بھائی جان اسحق پر آ پڑا۔ والد صاحب مرحوم (جنہیں گھر میں اور گاؤں میں سب لوگ ''میاں جی'' کہتے تھے۔ میں نے ان کے کردار پر ان کی وفات کے بعد ایک مضمون بھی لکھا تھا جو البرہان میں شائع ہوا تھا) انہوں نے تجارت کے کئی تجربے کیے لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ پھر انہوں نے گاؤں میں کاشتکاری شروع کر دی۔ زمین بھی تھوڑی تھی اور وہ اکیلے تھے (وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے)، چھوٹے بہن بھائیوں کی تعلیم کا خرچ بھی تھا اس لیے گھر کی مالی حالت پتلی تھی۔ ان حالات میں بھائی جان اسحق صاحب نے ایف اے کے بعد ملازمت شروع کر دی۔ بھائی صاحب محمد یوسف کے علاوہ مجھے بھی سکول اور کالج (انٹر کامرس) میں انہوں نے ہی پڑھایا۔ مجھ سے چھوٹی بہن کو بھی پڑھایا اور اس کی شادی بھی کی۔ اس ایثار کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ ان کی شادی میں تاخیر ہو گئی۔ ان کی شادی ۳۲ برس کی عمر میں ہوئی جب کہ ہمارے ہاں بالعموم بچوں کی شادی جلدی کر دی جاتی ہے۔

* وہ طویل عرصے تک پنجاب کالج آف کامرس میں اسلامیات کے پروفیسر رہے۔ جب صحت زیادہ کمزور ہو گئی تو بچوں کے اصرار پر کالج جانا چھوڑا۔ محلے کی مسجد کے چونکہ پکے نمازی تھے اس لیے تبلیغی جماعت کے مقامی احباب انہیں اپنے پروگراموں میں کھینچنے کی کوشش کرتے۔ بھائی جان کا کہنا تھا کہ مَیں اپنے حصے کی دعوت وتبلیغ کا کام اپنے انداز میں کر رہا ہوں لیکن وہ اصرار جاری رکھتے۔ ایک دفعہ اصرار کر کے وہ انہیں سہ روزہ پر لے ہی گئے۔ جب گشت کے لیے جماعت نکلی تو ساتھیوں نے از راہِ اِکرام انہیں امیر بنا لیا۔ جب ان کی جماعت لوگوں کو تذکیر کے لیے گئی تو بھائی جان مدعو حضرات کو قرآن حکیم کی تلاوت وترجمے کی طرف بھی راغب کرتے۔ واپسی پر جب کارگزاری پیش کی گئی تو ان کے گروپ کے آدمی نے امیر سے شکایت کے انداز میں کہا کہ پروفیسر اسحق صاحب جہاں بھی گئے قرآن کی دعوت ہی دیتے رہے، ہمارے چھ نکات کی اور تبلیغ کے لیے نکلنے کی انہوں نے بات ہی نہیں کی۔

آخری عمر میں تصنیف وتالیف کا ذوق بھی بیدار ہو گیا تھا۔ انہوں نے 'نماز میں خضوع وخشوع' کے علاوہ 'شہنشاہ کا کلام' (دو حصے) جن میں قرآنی تعلیمات کا خلاصہ آسان زبان میں

بیان کیا گیا ہے اور بچوں کے لیے 'دلچسپ اور سبق آموز واقعات' (تین حصے) مرتب کر کے شائع کیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر ایک تالیف زیر تدوین تھی جوان کے بچے شائع کرنے کا پروگرام رکھتے ہیں۔ یہ کتابیں وہ متعلقہ حلقوں میں بلا معاوضہ تقسیم کرتے تھے اور انہوں نے کبھی انہیں مالی منفعت کا ذریعہ نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

* خداخوفی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ لالہ موسیٰ میں تھے کہ ساس بہو میں ان بن ہو گئی۔ ظاہر ہے اکٹھے رہتے ہوئے جوائنٹ فیملی سسٹم میں اس طرح کی اونچ نیچ ہو ہی جاتی ہے لیکن امی جان کو زیادہ غصہ آ گیا۔ انہوں نے بھابھی کے ساتھ بھائی جان سے بھی بول چال بند کر دی۔ بھائی جان نے ایک سے زیادہ دفعہ وضاحت کرنے کی کوشش کی لیکن امی نے غصے میں ان کی بات نہیں سنی۔ مَیں ان دنوں لالہ موسیٰ ہی میں پاکپور سرامکس میں ملازمت کرتا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ بھائی جان بہت مضطرب تھے۔ اندر باہر بے چینی سے پھرتے تھے۔ مَیں نے کہا: گھبرائیں نہیں امی کا غصہ چند دن میں کم ہو ہی جائے گا۔ کہنے لگے مَیں سوچتا ہوں کہ اگر اس حالت میں مجھے موت آ گئی تو میری عاقبت کا کیا بنے گا کہ میری ماں مجھ سے ناراض ہے اور یہ کہتے ہوئے ان کی آواز بھرّا گئی۔ چند دن بعد امی جان کا غصہ حسبِ توقع ختم ہو گیا اور حالات نارمل ہو گئے تو بھائی جان کو بھی سکون آیا۔

* بھائی جان میں شخصی خوبیاں بہت تھیں۔ کم گو تھے، سنتے زیادہ بولتے کم تھے۔ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ دوسروں کے معاملات میں دخل نہ دیتے تھے۔ کوئی پوچھتا تو مشورہ دے دیتے۔ گورا رنگ، متناسب جسم، اعتدال کے ساتھ کھانا پینا۔ انہیں کبھی موٹاپے سے پالا نہیں پڑا۔ زندگی بھر صحت بھی اچھی رہی۔ بس کبھی کبھار نزلہ زکام ہو جاتا تھا جو بعض اوقات بگڑ بھی جاتا۔ حلیم الطبع اور خاموش مزاج تھے۔ ہم نے ساری زندگی کبھی انہیں اونچا بولتے اور زور سے قہقہہ لگاتے نہیں سنا۔ کبھی اولاد کو نہیں ڈانٹا، بس آرام سے سمجھا دیتے تھے۔ آہستہ بولتے، آہستہ قدم اٹھاتے۔ زیرک، سنجیدہ، بردبار، کم گو۔ یہ تھے ہمارے بھائی جان پروفیسر محمد اسحٰق صاحب۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند فرمائے، آمین یاربّ العٰلمین۔

حافظ محمد عمران طحاوی

کچھ الاستاذ ڈاکٹر محمد امین صاحب کے بارے میں

[استاذ گرامی پروفیسر ڈاکٹر محمد امین صاحب ایک منکسر المزاج اور علمی شخصیت ہیں۔ آپ کی سادگی اور شہرت سے عدم دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ وہ چالیس کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں لیکن کسی کے فلیپ پر ان کا تعارف موجود نہیں۔ البرہان میں بھی وہ اپنے بارے میں تعریفی اور توصیفی کلمات شائع نہیں کرتے۔ حال ہی میں میں نے نوٹ کیا کہ وکی پیڈیا اور گوگل سکالر میں بھی ان کا تعارف موجود نہیں تو میں نے یہ سطور اس کے لیے لکھیں۔ ڈاکٹر صاحب البرہان میں بھی اس کی اشاعت کے حق میں نہ تھے لیکن میں نے زور دے کر کہا کہ قارئین البرہان کا یہ حق ہے کہ وہ اس کے مدیر کے بارے میں کچھ جانیں۔ لہٰذا وکی پیڈیا کے لیے لکھا گیا ڈاکٹر صاحب کا کچھ تعارف یہاں دیا جا رہا ہے۔ عمران طحاوی]

تعلیم

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین ۷ ۱۹۴۷ء میں پنجاب میں ضلع گجرات کے گاؤں بوریانوالی میں پیدا ہوئے۔ میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول کھاریاں سے کیا۔ انٹر کامرس کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے بطور پرائیویٹ سٹوڈنٹ بی اے اور ایم اے (علوم اسلامیہ، عربی زبان وادب اور تاریخ) میں کیا۔ جامعہ الملک سعود، الریاض، سعودی عرب سے فقہ واصول فقہ میں ایم فل کیا اور اسلام اور مغرب میں قانون سازی کے تقابلی مطالعے پر عربی میں تحقیقی مقالہ لکھا۔ اس یونیورسٹی سے آپ نے غیر عربوں کو عربی زبان کی تدریس میں پوسٹ گریجوایٹ ڈپلومہ بھی حاصل کیا۔ اس کے بعد آپ نے کیمبرج یونیورسٹی برطانیہ سے کامن لاء میں سرٹیفکیٹ حاصل کیا اور کولمبیا پیسفک یونیورسٹی سان فرانسکو سے پی ایچ ڈی کیا۔ آپ کے انگریزی مقالہ کا موضوع ضیاء الحق دور میں قانون سازی کی اسلامائزیشن تھا (یہ مقالہ بعد میں سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے طبع کیا)۔ پنجاب یونیورسٹی شعبہ علوم اسلامیہ سے آپ نے دوسری پی ایچ ڈی تعمیر شخصیت میں اسلام اور مغربی فکر کا تقابلی مطالعہ کے عنوان پر کی جو بعد میں اردو سائنس بورڈ

نے 'اسلام اور تزکیۂ نفس' کے عنوان سے طبع کی، صفحات ۹۰۳۔

تدریس و تحقیق

آپ نے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کی شریعہ اکیڈمی میں تدریس اور پنجاب یونیورسٹی کے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں تحقیق کے فرائض انجام دیے۔ آپ نے یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی (UMT) میں شعبہ اسلامی فکر و تہذیب کے بانی صدر تھے اور شعبہ کے ششماہی انگریزی جریدے 'Islamic Civilization' کے بانی چیف ایڈیٹر بھی۔ آپ نے یونیورسٹی آف لاہور کے شعبہ اسلامیہ میں تدریس کا فریضہ انجام دیا اور اس کے ششماہی رسالے 'التبیین' کے بانی چیف ایڈیٹر تھے۔ آخری دو یونیورسٹیوں میں آپ نے تدریس اور ایم فل اور پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کے طلبہ کے تحقیقی مقالات میں ان کی رہنمائی کی۔

اصلاحی و علمی سرگرمیاں

* آپ نے ۱۹۸۶ء میں 'تحریک اصلاحِ تعلیم' کی بنیاد رکھی اور جدید تعلیم کی اصلاح اور اسلامی تشکیل نو کے لیے متنوع سرگرمیاں ابھی تک جاری رکھے ہوئے ہیں۔ تحریک کے مختلف منصوبوں میں سے تعلیمی اداروں میں ترجمۂ قرآن کی ترویج اور عمرانی علوم کی اسلامی تشکیل نو اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ جدید تعلیم کی اصلاح پر آپ کی دس تصانیف موجود ہیں۔ آپ نے دینی مدارس کے نظام تعلیم کی اصلاح اور اسے مزید مؤثر اور مفید بنانے کی جدوجہد بھی کی اور اس پر آپ کی چار تصانیف موجود ہیں۔

* آپ نے ۲۰۰۷ء میں سارے دینی مکاتب فکر کے معتدل مزاج علماء کرام کے ساتھ مل کر 'ملی مجلس شرعی' تشکیل دی جس کے آپ بانی جنرل سیکرٹری ہیں۔ اس علمی و اصلاحی پلیٹ فارم کا مقصد علماء و مسالک کے درمیان افہام و تفہیم کو فروغ دینا اور ان میں یکجہتی پیدا کرنا ہے تاکہ فرقہ واریت اور مسلک پرستی کے رجحان میں کمی آئے۔ نیز یہ مجلس کوشش کرتی ہے کہ معاشرے کو درپیش مسائل میں سارے دینی مکاتب فکر کی طرف سے مشترکہ اور یکساں مؤقف پیش کیا جائے۔ بے شمار مسائل (مثلاً سود، دینی مدارس کے نصابات، فحاشی و عریانی،

تجدد، مسئلہ تصویر، جہاد اور دہشت گردی، توہینِ رسالت، اسلامی قانون سازی وغیرہ) کے بارے میں مجلس اپنی سفارشات اور رپورٹیں پیش کر چکی ہے۔

* آپ نے ۲۰۱۰ء میں ماہنامہ'البرہان' لاہور سے جاری کیا جو اپنی علمی، فکری اور اصلاحی تحریروں کے لیے معروف ہے۔ اس جریدے کے تین بڑے محور ہیں: اصلاحِ تعلیم (عصری اور دینی مدارس دونوں)، مغربی فکر وتہذیب کی تفہیم، تجزیہ اور تنقید۔ پاکستان میں نفاذ اسلام اور غلبۂ دین۔

اہم نظریات

* ڈاکٹر محمد امین صاحب سمجھتے ہیں کہ عصر حاضر میں اسلامی فکر وعمل کی ساری لہریں دو بنیادی چیلنجز کا جواب دینے کی کوشش ہیں۔ ایک زوال مسلم اور دوسرے مغرب کی الحادی فکر وتہذیب کا غلبہ۔ لیکن بدقسمتی سے ان دونوں اہم مسائل میں امت کے اہل علم وفضل کا رویہ اصلاح طلب اور قابل نظر ثانی ہے۔

* ڈاکٹر محمد امین صاحب کا کہنا ہے کہ عصر حاضر میں امت کے دینی حلقوں نے فرد کی تعمیر شخصیت اور معاشرے اور ریاست کی اصلاح اور اسلامی تشکیل کے لیے تعلیم وتربیت کو وہ اہمیت نہیں دی جس کی وہ مستحق ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ تعلیم وتربیت ہی وہ الٰہی نسخہ ہے جو لوگوں کی اصلاح وہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو عطا فرمایا (جس کے لیے قرآن حکیم تعلیم، دعوت، انذار، تبلیغ، اصلاح اور تزکیۂ نفس کے الفاظ استعمال کرتا ہے) اور آخری نبی (حضرت محمد ﷺ) کے کارِ نبوت کے طور پر قرآن حکیم میں اس کا ذکر چار دفعہ فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب سمجھتے ہیں کہ فرد کی شخصیت کی اسلامی تعمیر اور معاشرے وریاست کی اسلامی تشکیل نو کے لیے ناگزیر ہے کہ عصری تعلیم کو مغرب کی الحادی فکر وتہذیب کے چنگل سے نکالا جائے اور اسلامی تناظر میں پورے تعلیمی نظام (انتظامیہ کی تربیت، نصابات ونصابی کتب، تربیتِ اساتذہ، ہم نصابی وغیر نصابی سرگرمیاں، تربیتِ طلبہ، تعلیمی ادارے کا ماحول وغیرہ) کی تشکیل نو کی جائے، تعلیمی ثنویت کو ختم کیا جائے اور دینی مدارس کے نظام تعلیم کی بھی اصلاح کی جائے کیونکہ ان کا موجودہ منہج انگریزی دور میں استعمار کی سازشوں، ان کے خلاف علماء کے ردّ عمل اور اس وقت کی کسمپرسی کے نتیجے میں وجود میں آیا تھا ورنہ مسلم نظام تعلیم تقریباً ایک ہزار سال تک وحدت

تعلیم کا علمبر دار تھا اور وہی امت کے غلبے اور عروج کا سبب تھا اور نظام تعلیم وتربیت کے زوال ہی نے امت کے زوال کی راہ ہموار کی۔

* تمام مسلمانوں کو اصولاً مغربی فکر وتہذیب کو رد کرنا چاہیے کیونکہ وہ دین اسلام سے متضاد اور اس کی تعلیمات کی نقیض ہے نیز اس تہذیب کے علمبر دار ممالک کی اسلام اور مسلم دشمنی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ مسلمانوں کے پاس ان کے دین کے مآخذ (قرآن وسنت) محفوظ و مامون ہیں جو ان کی دنیا وآخرت میں کامیابی کا مکمل لائحہ عمل دیتے ہیں۔ نیز اسلام میں ثبات وتغیر کا ایسا مؤثر نظام موجود ہے جو اسے ہمیشہ کے لیے قابل عمل رکھتا ہے چنانچہ مسلمانوں کو مغرب کی دنیاوی ترقی سے نہ تو مرعوب ہونا چاہیے اور نہ اس کی پیروی کرنی چاہیے کیونکہ وہ کفر والحاد پر مبنی ہے اور توحید، رسالت وآخرت کی منکر ہے۔ بلکہ انہیں فرد کی تربیت مغربی اصولوں کی بجائے اسلامی اصول واقدار کے مطابق کرنی چاہیے اور اجتماعی زندگی کے اداروں (سیاسی، معاشی، سماجی، تعلیمی، عدالتی....) کی اسلامی تشکیل نو کرنی چاہیے اور اس طرح کرنی چاہیے کہ قرآن وسنت کی نصوص، امت کے علمی وعملی تجربات اور عصری ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اجتہادی سپرٹ سے کام لیا جائے اور شعوری طور پر مغرب کی فکری غلامی سے بچا جائے۔ بحیثیت ایک انسانی تجربے کے مغرب سے محدود اور محتاط استفادے کی تھوڑی سی گنجائش ضرور موجود ہے لیکن اس کی آڑ میں مغرب کی پیروی کی کوشش نہیں ہونی چاہیے کیونکہ کفر والحاد وفساد مغربی فکر وتہذیب کی رگوں میں خون کی طرح گردش کر رہا ہے لہٰذا اس سے بچنے کی شعوری اور پرزور کوشش ضروری ہے۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مغرب کی الحادی فکر وتہذیب کے تجزیاتی وتنقیدی مطالعے کو پاکستانی نظام تعلیم خصوصاً کالجوں یونیورسٹیوں میں تدریس وتحقیق کا موضوع بنایا جائے۔

* پاکستان میں جن علماء وسکالرز نے مغرب کی لادین اور سرتاپا غیر اسلامی جمہوریت میں چند اسلامی اصول (کاغذی طور پر) داخل کر کے اسے مشرف بہ اسلام کیا اور اسے 'اسلامی جمہوریت' کا نام دیا اور اسی طرح جن اہل علم نے مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام اور خصوصاً بینکنگ میں چند اسلامی اصول (برائے نام یا بطور حیلہ) داخل کر کے اسے 'اسلامی بینکنگ' قرار دیا، ان کا نقطۂ نظر اسلامی لحاظ سے اجتہاداً بھی غلط تھا کیونکہ اسلام اور غیر اسلام (مغرب کی الحادی اور کفریہ فکر وتہذیب کے جاہلی تصورات ونظریات) کے باہم متضاد نظریات کو ملانا،

جمع کرنا اوران میں تلفیق وتوافق پیدا کرنا نقل وعقل دونوں کے خلاف تھا اور ہے لیکن چلئے اگر یہ ایک تجربہ تھا بھی تو عملاً ناکام ہو چکا۔ اس کے نتیجے میں پاکستان کے انفرادی اور اجتماعی ماحول میں اسلام نہیں آیا بلکہ مغربی تہذیب کے اصول واقدار غالب آچکے ہیں۔ مسلمان دین سے دور ہو رہے ہیں بلکہ ہو چکے ہیں اور فرد، معاشرہ اور ریاست سب اخلاقی بحران میں اور مغرب کی مادہ پرستی اور دنیا و مال کی محبت کے بخار میں مبتلا ہیں، جن کا نتیجہ ہے دنیا میں ناکامی اور آخرت کی رسوائی۔ دنیا میں ناکامی کا ہم مشاہدہ وتجربہ کر رہے ہیں اور جہاں تک آخرت کی ناکامی اور رسوائی کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بچائے، (آمین)۔

اس کا حل یہ ہے کہ مغربی فکر وتہذیب کو رد کرتے ہوئے اسلامی اصولوں کے مطابق فرد کی تعمیر شخصیت کی جائے (اور اس کے لیے تعلیم، تربیت، دعوت، میڈیا، اصلاح اور تزکیہ نفس کے سارے ذرائع استعمال کیے جائیں) اور انہی دو اصولوں پر اجتماعی زندگی کے سارے ادارے از سر نو تشکیل دیے جائیں۔ اس کے بغیر دنیا کی ناکامی اور آخرت کی رسوائی سے بچا نہیں جا سکتا۔

تصنیف وتالیف

تعلیم وتربیت

جدید عصری تعلیم

* ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل
* اسلامی سکول کے خدوخال
* تعلیم اور اس کا اسلامی کردار
* یکساں قومی نصاب۔ خدشات ومضمرات
* ایک نئی یونیورسٹی کی ضرورت
* مقالات تعلیم (پروفیسر ملک محمد حسینؒ)
* تعلیمی ادارے اور کردار سازی
* تعلیمی اداروں میں تعمیر سیرت

دینی مدارس کی تعلیم

* ہمارا دینی نظام تعلیم
* نصاب مدنی
* اصلاحِ دینی مدارس
* مدرسہ ڈسکورسز۔ مطالعہ وتجزیہ

تزکیہ نفس

* اسلام اور تزکیہ نفس
* حقیقت تزکیہ نفس

* اپنی اصلاح آپ کیسے؟ * ترک رذائل (احمد جاوید)
* اسلام اور تعمیر سیرت

تفہیم دین

* تدریس القرآن (پارہ ۱، ۲، ۳، ۶) * پنج سورہ و پارہ عم
* مسلم نشأۃ ثانیہ: اساس اور لائحہ عمل * عصر حاضر اور اسلام کا نظام قانون
* عصر حاضر میں دین کا متوازن تصور * خاموش انقلاب ناگزیر ہے
* نئی اصلاحی تحریک کی ضرورت * شاتم رسول کے قانون کی شرعی حیثیت
* السلطة التشريعية _ دراسة مقارنة
* Literal Translation of the Holy Quran Para 1-10
* Riyaz us Saliheen 1&11
* Islamization of Laws in Pakistan

اسلام اور پاکستان

* پاکستان کی دینی قوتیں غیر مؤثر اور ناکام کیوں؟ * اسلام اور پاکستان
* پاکستان میں نفاذ شریعت * مقالاتِ امین (جلد اوّل، دوم)

* اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے متعدد مقالات اردو، عربی اور انگریزی میں ملکی اور غیر ملکی تحقیقی جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ آپ نے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (اردو) کے لیے ۶۰ مقالات لکھے اور اتنے ہی مضامین کا ترجمہ کیا۔ البرہان میں آپ کے علمی مقالات کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے۔

آن لائن		http://alburhaan.pk

اس میں البرہان کے تازہ اور سابقہ شمارے اور ڈاکٹر صاحب کی تصانیف پی ڈی ایف فائلز کی صورت میں موجود ہیں۔

اشاریہ البرہان ۲۰۲۲ء

جنوری — مشمولات

○فکرونظر		
انقلاب وانقلاب وانقلاب	مدیر	۴
○تعلیم وتربیت		
ـ عصرحاضر میں علوم کی اسلامی تشکیل ڈاکٹرنجات اللہ صدیقی کی آراء کا محاکمہ	ڈاکٹر محمد امین	۵
ـ دینی مدارس اور جدید علوم	حافظ ابرار حسین	۱۲
○تزکیۂ نفس		
اپنی اصلاح اور بچوں کی اصلاح وتربیت	احمد جاوید	۱۹
○توہینِ رسالت		
ـ سانحۂ سیالکوٹ کی شدید مذمت لیکن....	مدیر	۲۵
ـ کیا توہینِ رسالت کا قانون غیر شرعی ہے؟	مولانا پروفیسر محمد رفیق	۳۳
ـ واقعۂ سیالکوٹ۔حکمرانوں، لبرلز اور متجددین کا غلط رویہ	سید خالد جامعی	۴۳
ـ پاکستان میں مذہبی انتہا پسندی۔اسباب وعلاج	مدیر	۴۶
○پاکستانیات		
پاکستان کی معاشی تباہی۔حل موجود ہے	ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری	۵۳
○خود نوشت		
مَیں نے زندگی سے کیا سیکھا؟ (۷)	مدیر	۶۱
○افغانستان		
اسلامی افغانستان۔زوال پذیر مغربی تہذیب کا مدفن	حافظ ابرار حسین	۶۳
○مطالعۂ کتاب		
'دروسِ سرمایہ داری' از ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری	امین اشعر	۷۵
○اشاریہ البرہان		
البرہان ۲۰۲۱ء ایک نظر میں	ادارہ	۷۹

فروری — مشمولات

○فکرونظر		
ـ نعت رسول ﷺ	احمد جاوید	۴
ـ اسٹیبلشمنٹ سے ایک گزارش	مدیر	۵
○تعلیم وتربیت		
ـ یکساں قومی نصاب میں یک طرفہ ردوبدل	ڈاکٹر محمد امین	۷
ـ ہماری یونیورسٹیوں میں کیا ہو رہا ہے؟	اسرار احمد خاں	۱۴
ـ جدید نظام تعلیم کی ناکامی لیکن الزام علماء پر؟	محمد عاصم حفیظ	۱۷
ـ ایک نئی طرز کا دینی مدرسہ	مولانا سید سلیمان ندویؒ	۲۲
ـ عصرِ حاضر میں علوم کی اسلامی تشکیل (۲)	مدیر	۲۳
○تزکیۂ نفس		
تحریکِ ایمان وتقویٰ ۔ایک تعارف	مولانا مختار الدین شاہ	۳۳
○فہم دین		
ـ دینی دعوت میں عوام سے رابطے کی اہمیت	مولانا ابوالحسن علی ندویؒ	۴۱
ـ نبی کریم ﷺ کے فرائضِ منصبی	مولانا محمد یوسف بنوریؒ	۴۲
ـ غامدی کے بارے میں البرہان کا سخت موقف کیوں؟	مدیر	۴۵
○تفہیم مغرب		
ـ مغربی سائنس۔منزل ہے کہاں تیری؟	ادریس آزاد	۵۴
○عالم اسلام		
بوسنیا، یوکرائن، قازقستان، سعودی عرب، بھارت	مدیر	۶۹
○افغانستان		
ـ افغان معیشت پر سامراجی حملہ	ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری	۷۶
ـ افغانستان: عوامی اسلامی حلقوں کی حمایت سے محروم کیوں؟		۸۰

مارچ — مشمولات

○فکرونظر		
سنیے جناب!	مدیر	۴
○تعلیم وتربیت		
ـ اسلامی اساس پر علوم کی تدوین نو (آخری قسط)	ڈاکٹر محمد امین	۵
ـ علم ویقین سے محرومی کے عواقب واثرات	ڈاکٹر ابصار احمد	۱۱
ـ تعلیم اور کردار سازی	ایم ابراہیم خاں	۲۴
ـ سنگل نیشنل کریکلم سے اسلامی تعلیمات کا اخراج	پروفیسر رحیم بخش	۲۷
○تزکیۂ نفس		
اللہ تعالیٰ کی فرانزک رپورٹ	ادارہ	۲۸
○فہم دین		
ـ اقامتِ دین کا صحیح تصور	ڈاکٹر محمد امین	۳۰
ـ پاکستان میں دینی جدوجہد: نتائج کیوں نہیں نکل رہے؟	مدیر	۴۲
ـ مدیر البرہان کا مسلک کیا ہے؟		۵۰
○اسلام اور مغرب		
ـ بنیادی انسانی حقوق: اقوام متحدہ کا چارٹر یہ چارٹر اللہ کے خلاف بغاوت پر مبنی ہے	ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری	۵۱
ـ عورت مارچ ـ لبرل ازم کا مظہر	مدیر	۶۴
ـ سائنس کی آخری منزل: انسان اور انسانیت کا خاتمہ	سید خالد جامعی	۶۶
ـ مغرب میں قبول اسلام	مولانا امیر حمزہ	۶۹
ـ ہم کیا کھا رہے ہیں؟	ڈاکٹر محمد صدیق بابر اعوان	۷۱
○یادِ رفتگان		
مفتی محمد خان قادری مرحوم	ڈاکٹر اختر حسین عزمی	۷۳
○ملی مجلس شرعی		
ملی مجلس شرعی کی قراردادیں	مدیر	۷۷

اپریل — مشمولات

○تعلیم وتربیت		
ـ ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل	ڈاکٹر محمد امین	۶
ـ کلچرل ڈے: تعلیمی استحصال	پروفیسر محمد ابراہیم	۲۰
ـ دینی مدارس کے طلبہ میں تحقیقی شعور کیسے بیدار ہو؟	اختر تابش سعیدی	۲۱
ـ درسی کتابوں میں زمانے کی تقسیم کا نظریہ	سید خالد جامعی	۲۴
ـ تعلیم میں مسابقت کا مضر رجحان	محمد عاصم مہاروی	۲۵
○تزکیۂ نفس		
ـ تصوف کیا بلا ہے؟	مولانا محمد زکریاؒ	۲۷
ـ پنجاب میں گدی نشینوں اور مخدوموں کا سو سال پرانا خط اُس وقت کے انگریز گورنر پنجاب کے نام	خالد مسعود خاں	۲۹
○فہم دین		
ـ اقامت دین کی جدوجہد: ناکامی کا بنیادی سبب	مولانا امین احسن اصلاحی	۳۲
ـ مسلمان کی زندگی کا مقصد اور نصب العین	ڈاکٹر محمد امین	۳۳
ـ رمضان میں تراویح کو مفید اور موثر کیسے بنایا جائے؟	ادارہ	۳۷
ـ دینی عناصر زندگی کے سارے شعبوں میں کام کیوں نہیں کرتے؟	عاصم حفیظ	۴۰
○تفہیم مغرب		
ـ امریکہ کی مالیاتی دہشت گردی	ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری	۴۵
ـ چینی امریکی سامراجی سرمایہ دارانہ کشمکش	ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری	۵۰
○اسلام اور پاکستان		
ـ اسلام آباد ہائی کورٹ کا غیر اسلامی فیصلہ اہم اصولی اور قانونی نکات	ڈاکٹر محمد امین	۵۴
ـ ہمارے سیکولر لبرل دانشور اور ادیب	حافظ شفیق الرحمن	۶۲
○عالم اسلام		
عالم اسلام۔تازہ حالات	مدیر	۶۶

مئی — مشمولات

فکر و نظر
جاگتے رہو! — مدیر — ۴

تعلیم و تربیت
- یونیورسٹیوں میں بے دینی کے ماحول کا فروغ — ادارہ — ۵
- یونیورسٹیوں میں تحقیق کے نام پر فراڈ — ڈاکٹر شہزادہ اقبال شام — ۸
- عورت اور تعلیم — سید خالد جامعی — ۱۱
- تعلیم کے سوداگروں کی کارستانیاں — پروفیسر عاصم حفیظ — ۱۴
- مدرسہ ڈسکورسز پروگرام، اب بھارت میں — یاسر ندیم واجدی — ۱۶
- جدید اسلامی تحریک: تعلیم و تزکیہ کی اہمیت؟ — مدیر — ۱۹

فہم دین
- رمضان المبارک سے صحیح استفادے کے موانع — سید خالد جامعی — ۲۰
- یوکرین تنازعہ اور اسلامی تحریکیں — ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری — ۲۲

اسلام اور تجدد
- احمد جاوید صاحب اور مدحتِ غامدی — مدیر — ۲۹
- احمد جاوید صاحب اور غامدی صاحب کی حمایت — ڈاکٹر مشتاق احمد — ۳۱
- جاویدین جاودان — ڈاکٹر عزیز ابن الحسن — ۳۴
- غامدی صاحب کی حمایت کا نرالا انداز — پروفیسر رحیم بخش — ۳۸
- غامدی صاحب: علمیت اور حسنِ اخلاق؟ — سید خالد جامعی — ۴۰
- مسلم معاشرے میں تجدد — ڈاکٹر محمد امین — ۴۲

اسلام اور پاکستان
- اسلام آباد ہائیکورٹ کا خلافِ شریعت فیصلہ — مدیر — ۴۸
- پاکستان کا سیاسی بحران۔ دروس وعبر — ۶۱
- یوتھ کلب پاکستان: ایک تعارف — پروفیسر عاصم حفیظ — ۶۹

عالم اسلام/افغانستان
- اسلامی افغانستان — ڈاکٹر محمد امین — ۷۴
- افغانستان میں یورپی زرعی منصوبے کا نفاذ — ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری — ۷۶

خود نوشت
میں نے زندگی سے کیا سیکھا؟ (۸) — مدیر — ۸۱

جون — مشمولات

فکر و نظر
عمران خاں صاحب کے نام کھلا خط — ۴

مقالۂ خصوصی
پاکستان میں شریعت کیوں نافذ نہیں ہو سکی؟ — ڈاکٹر محمد امین — ۷

تعلیم و تربیت
- لبرل انتہا پسندی اور ہمارا نصاب تعلیم و نصابی کتب — محمد آصف خان — ۲۶
- اسرائیل کے تعلیمی نصاب کی ایک جھلک — رضی الدین سیّد — ۲۹
- نیشنل کریکلم کونسل کی تشکیل نو کی جائے — مدیر — ۳۸
- جامعات کی پی ایچ ڈی پر نظر — ڈاکٹر شہزادہ اقبال شام — ۳۹

اسلام اور تجدد
اجتہاد اور تجدید جائز۔ تجدد نا قابل قبول — ڈاکٹر محمد امین — ۴۱

اسلام اور پاکستان
- سود اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف منظم تحریک کی ضرورت — مدیر — ۴۹
- بچوں کو اگلی صفوں سے مت نکالیے — ڈاکٹر مفتی امیر حمزہ — ۵۶
- رشتوں کو جوڑنے کی تحریک — پروفیسر محمد عاصم حفیظ — ۵۸

تفہیم مغرب
دنیا کی تباہی میں صرف تین برس رہ گئے — سید خالد جامعی — ۵۹

اسلام اور مغرب
امریکہ اور یورپ میں شادی کا روایتی ادارہ ختم ہو رہا ہے — سید خالد جامعی — ۶۰

پاکستانیات
شدید گرمی اور پانی کی قلت۔ ہم کب سوچیں گے؟ — ادارہ — ۶۴

فہم دین
- معیشت و اخلاق کا باہمی تعلق — مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ — ۶۶
- اسلام میں اختلافات کی حدود اور منہج — مولانا مفتی محمد شفیعؒ — ۸۱

جولائی — مشمولات

فکر و نظر
• فلک شگاف نظام • ہم سوچتے کیوں نہیں؟ • انسان ساز فیکٹریاں کہاں ہیں؟
• پاکستان کے معاشی مسئلے کا واحد حل • عمران خان کا انجام: تخت یا تختہ — ۴

مقالۂ خصوصی
پاکستان میں شریعت کیوں نافذ نہیں ہو سکی؟ کیسے نافذ ہو سکتی ہے؟ — ڈاکٹر محمد امین — ۱۲

تعلیم و تربیت
- قرآنی فضا میں زندگی گزارنا — سید قطب شہیدؒ — ۳۳
- پاکستان میں اعلیٰ تعلیم کی تباہی کا ذمہ دار کون؟ — مدیر — ۳۴
- نصاب تعلیم کا ایک جائزہ — مولانا زاہد الراشدی — ۳۹
- موبائل فون۔ آپ کے بچے کا دشمن — انصار عباسی — ۴۲
- فلسفۂ مغرب اور دینی حلقوں میں اس کی تدریس — مدیر — ۴۴
- مغربی فلسفہ اور اس کے مطالعہ کا صحیح منہاج — سید خالد جامعی — ۴۶

تفہیم مغرب
مغربی بینکنگ کی اسلام کاری ممکن نہیں — ڈاکٹر زاہد صدیق مغل — ۵۷

اسلام اور تجدد
اقبال احمد: سیکولر، لبرل، سوشلسٹ اور ملحد — ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری — ۶۶

عالم اسلام
عالم اسلام کے سلگتے مسائل اور ان کا حل — مدیر — ۷۶

تبصرۂ کتب
- کتابیں اور تبصرے — ڈاکٹر سید متین احمد — ۷۹
- طریق الحق انٹرنیشنل — مدیر — ۸۲

اگست — مشمولات

فکر و نظر
- کیا ہم آزاد ہیں؟ - اُمید کی تلاش — مدیر — ۴
- دینی جماعتیں اور انتخابات — ۷

مقالۂ خصوصی
مغرب کا ڈیجیٹل انقلاب اسلام اور مسلمانوں کے لیے چیلنج — ڈاکٹر محمد امین — ۸

فہم دین
- معاشرے کے مختلف طبقات سے خطاب — حضرت شاہ ولی اللہؒ — ۳۸

تعلیم و تربیت
- نصاب کی اسلامی تشکیل — پروفیسر ملک محمد حسینؒ — ۴۱
- اقبال کا فلسفہ تعلیم — پروفیسر کرم حیدری — ۴۵
- نوجوان نسل کے مسائل اور ان کا حل — حافظ محمد موسیٰ بھٹو — ۵۶
- سستا ترین ملازم: مولوی — پروفیسر عاصم حفیظ — ۵۹

تزکیۂ نفس
- ہماری نماز ہمیں معصیت سے کیوں نہیں روکتی؟ — پروفیسر ارشد جاوید — ۶۰
- عصر حاضر کا ناسور: بے مقصد زندگی — پروفیسر ایم اے رفرف — ۶۲
- عید کا نیا جوڑا — ڈاکٹر افضل بابر — ۶۴

پاکستانیات
پاکستان کا معاشی بحران اور اُس کا حل — ڈاکٹر محمد امین — ۶۵

عصر حاضر کے متجددین
اقبال احمد: سیکولر، لبرل، سوشلسٹ اور ملحد (آخری حصہ) — ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری — ۶۸

کہتا ہوں سچ
سود کے خلاف مہم۔ منافقت پر مبنی ہے — باغی — ۷۸

تبصرۂ کتب
- 'پاکستان میں نفاذِ شریعت' از مدیر البرہان — ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری — ۸۱

ستمبر — مشمولات

○ فکر و نظر
- سوہنی دھرتی ہے آزاد مگر — پروفیسر شاہد رشید — ۴

○ تعلیم و تربیت
- اقبال کا فلسفۂ تعلیم (آخری قسط) — پروفیسر کرم حیدری — ۵
- انقلابی جماعت پہلے تعلیمی نظام کیوں تبدیل کرتی ہے؟ — ڈاکٹر افضل بابر — ۹
- اسلام کا تصورِ علم — سید خالد جامعی — ۱۱
- اچھے معلم کی خصوصیات — ادارہ — ۲۰
- ٹین ایجر اولاد کی تربیت کیسے کریں؟ — ڈاکٹر افضل بابر — ۲۱
- وائس چانسلر کی گرفتاری — ادارہ — ۲۳
- کسی ملک کو تباہ کیسے کیا جائے — ادارہ — ۲۴

○ مقالۂ خصوصی / تزکیۂ نفس
- تعمیرِ سیرت میں قلب کا کردار قرآن و سنت اور جدید سائنس کی روشنی میں — ڈاکٹر محمد امین — ۲۵

○ اسلام اور مغرب
- اسلام اور مغربی فکر و تہذیب کا رد احمد جاوید صاحب کے ارشادات — ڈاکٹر محمد امین — ۴۸

○ اسلام اور پاکستان
- پاکستانی معاشرہ: اخلاقی تباہی کے دہانے پر — مدیر — ۵۱
- پاکستان کے معاشی بحران کا حل موجود ہے — ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری — ۵۲
- نفاذ اسلام میں علماء کا اتحاد ناگزیر ہے — رضی الدین سید — ۵۸
- دینی شعائر کا استہزاء — پروفیسر عاصم حفیظ — ۶۴
- قیامِ پاکستان: بحیثیت قوم بدعہدی — مدیر — ۶۵

○ کہتا ہوں سچ
- پاکستان کی سیکولر سیاسی جماعتیں: تباہی کی ذمہ دار — باغی — ۶۷

○ یادرفتگان
- 'میں نے زندگی سے کیا سیکھا؟' (۹) — مدیر — ۶۹
- مولانا صوفی عیش محمد رحمہ اللہ — ڈاکٹر زاہد اشرف — ۷۲
- کچھ ان کی کچھ دوسروں کی زبانی — محمد سلیم جباری — ۷۶

اکتوبر — مشمولات

○ فکر و نظر
- ہم توبہ کیوں نہیں کرتے؟ — مدیر — ۴

○ مقالۂ خصوصی
- علماء کرام سے ملاقاتیں، مشاورت اور مکالمہ — ڈاکٹر محمد امین — ۵

○ تعلیم و تربیت
- ادراکِ عصرِ حاضر: دینی مدارس کے لیے مطالعہ جدیدیت کا جامع نصاب — سید خالد جامعی — ۱۴
- دعوۃ اکیڈمی کی بندش — ڈاکٹر شہزاد اقبال شام — ۲۳
- سکول بحیثیتِ ادارہ — فرید بن مسعود — ۲۶
- اسرائیل دنیا پر کیسے غالب ہے؟ — پروفیسر ایم اے رفرف — ۲۸

○ فقہ و قانون
- ٹرانس جینڈر قانون کی حقیقت اور شرعی حیثیت — مدیر — ۳۱
- ٹرانس جینڈر ایکٹ: شبہات و اعتراضات کا جائزہ — ڈاکٹر حافظ حسن مدنی — ۴۳
- ٹرانس جینڈر ایکٹ: پارلیمنٹ میں دینی سیاسی جماعتوں کا سوئے رہنے کا ریکارڈ — شاہ زیب منظور گوندل — ۵۶
- قرارداد ملی مجلس شرعی — ادارہ — ۵۸

○ اسلام اور پاکستان
- ماڈرن ازم کا چیلنج اور اسلامی جدوجہد — ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری — ۵۹

○ اسلام اور تہذیب مغرب
- تہذیب مغرب کے خلاف مزاحمتی بیانیہ — ڈاکٹر تحسین فراقی — ۶۶

○ خود نوشت / 'میں نے زندگی سے کیا سیکھا؟'
- کھلنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازوں کا — مدیر — ۷

English Section
1- Pakistani Economic Crisis and the Necessity for Default — Sibte Mahdi — ۷۵
2- The Objectives and Implications of the Transgender Act 2018 — Dr. Najib ul Haq — ۸۰

نومبر — مشمولات

○ فکر و نظر
- جھوٹی محبت — ۴

○ مقالۂ خصوصی
- پاکستان کا سیاسی اور دینی بحران اور اس کا حل — ڈاکٹر محمد امین — ۵

○ تعلیم و تربیت
- جدید تعلیم: چند اخلاقی اور فکری مباحث — محمد دین جوہر — ۱۱
- طلبہ کی تربیت کیسے کی جائے؟ — پروفیسر ملک محمد حسینؒ — ۱۹
- محمد حسن عسکری کی "جدیدیت" بطور درسی کتاب برائے مدارس دینیہ — حسیب احمد حسیب — ۲۲
- پاکستانی جامعات کی حالت زار — آغر ندیم سحر — ۲۷
- تدریس القرآن پراجیکٹ کی تقریب — سید عمران طحاوی — ۳۰

○ فقہ و قانون
- ٹرانس جینڈر قانون کا اردو ترجمہ — شعیب مدنی / سیف اللہ خالد — ۳۱
- پاکستان میں نئے باطل نظریہ جنس LGBT کے 23 واقعات اور ثبوت — شعیب مدنی — ۴۱
- جینڈر ڈسکورس — مکرم محمود — ۵۱
- ٹرانس جینڈر ایکٹ اور اسلامی قوتوں کا ردِ عمل ایک فکری جائزہ — سید خالد جامعی — ۵۴

○ فہم دین
- جمہور اہل سنت سے جڑے رہنے میں عافیت ہے — ابوالحسن علی ندویؒ — ۵۸

○ اسلام اور مغرب
- غامدی صاحب اور سیکولرازم کی حمایت — احمد جاوید — ۶۰
- سیڈا: مسلم خاندان کی تباہی کا منصوبہ — ڈاکٹر رضوان اسد — ۶۱

○ کہتا ہوں سچ
- پاکستان کی دینی سیاسی جماعتیں — باغی — ۶۲

English Section
Defending the Islamic Emirate of Afghanistan: Economic and Political Dimensions — ۶۴

دسمبر — مشمولات

○ فکر و نظر
- غلاموں کی منڈی — مدیر — ۴

○ تعلیم و تربیت
- مغربیت — دورِ حاضر کا سب سے بڑا فتنہ — مفتی تقی عثمانی — ۵
- سفر افغانستان: برائے تعلیمی مقاصد — مدیر — ۱۴
- پروفیسر محمد حسین ملکؒ کی یاد میں — ڈاکٹر عبدالحسیب مجاہد — ۲۵
- تربیت: تعلیم سے زیادہ اہم ہے — مدیر — ۳۴
- تہذیبی خودکشی — وجیہ احمد صدیقی — ۴۱
- ہوم سکولنگ — جنت کرم — ۴۶

○ میڈیا
- قلم جوائے لینڈ پر پابندی لگنی چاہیے — عامر خاکوانی — ۴۸

○ تزکیۂ نفس
- 'خیر القرون': ایک مثالی اسلامی معاشرہ جسے اپنانے کو ہم تیار نہیں — سید خالد جامعی — ۵۲
- اپنے حصے کی شمع جلاتے رہو — پروفیسر ایم اے رفرف — ۵۹

○ تفہیم مغرب
- مغرب کے تضادات — سید خالد جامعی — ۶۰
- مغرب کی تحریک مساوات مرد و زن — رضی الدین سید — ۶۱

○ فکر و دانش
- کیا ہمارے دینی حلقے غیر مؤثر اور ناکام ہیں؟ مجلس فکر و دانش کا علمی مذاکرہ — حافظ محمد عمران طحاوی — ۷۱
- اہل علم و عمل میں توافق کی ضرورت — مکرم محمود — ۷۵

○ تبصرۂ کتب
- مختلف کتب پر تبصرے — مدیر / ڈاکٹر عبدالحسیب — ۷۷

English Section ۸۲
The Imperialist Attack on Islamic Orthodoxy — Dr. Javed Akbar Ansari

hand they are trying to establish institutional links, bypassing the Afghan government with domestic banks and financial institutions. On the other hand, through the newly established Geneva Fund they are trying to control the issuance and distribution of Afghan currency and to flood the economy with dollars. To counter these moves currency and financial sector integration between the Islamic Republic and Afghanistan is desirable. Currency swap arrangements may be urgently initiated and extensively progress should be made to develop a full fledged currency union between Iran and Afghanistan.

The development of the ITC sector is of crucial importance of Afghanistan's national defense. It can be a major means for sectoral integration of the economy. Moreover, the ITC industry can play a vital role in the country counter insurgency strategy and in monitoring and frustrating impending targeted drone attacks. Iran has developed a strong ITC sector effective both in sectoral technological upgrade and in surveillance of counter revolutionary espionage. Provision of ITC sector, experties and services to Afghanistan can be of mutual benefit to both these Islamic countries.

Respected Ulema, I submit that defending the Islamic revolution in Afghanistan is a vital national interest of the Islamic Republic of Iran. This is evident from the fact that the terrorist attacks in Afghanistan are directly targeting our Shia brothers. Developing a transnational anti-terrorist strategy is vital for promoting Shia-Sunni unity in the region. I therefore appeal to you that the Islamic Republic of Iran should be the first country to officially recognize Afghanistan and that you prioritize economic and defense policy coordination between these two brotherly countries.

technology transfer ties between the two countries. Promoting investment and policy coordination ties between these two Islamic states should be relatively easy because of their geographic proximity and because they share a common language Dari is a dialect of Persian and even Pashto is closely linked.

Those sectors in which economic cooperation between the Islamic Republic and Afghanistan is of vital importance are (a) energy and mining (b) finance and (c) information technology (ITC). Energy sector cooperation can be of some significance in alleviating the impact of sanctions on the Iranian oil sector. It can be of major importance to Afghanistan. An effort should be made to ensure that in the near future all energy sector imports of Afghanistan are procured from Iran, thus eliminating Afghanistan's dependence on global petroleum product markets.

There is also considerable scope for cooperation in the mining sector. Afghanistan has rich mineral resources and Afghanistan's needs for foreign investment in mining are extensive. Mineral sector growth is essential for the revival of the entire Afghan economy. Imperialist multinationals are already targeting Afghan minerals and imperialist investment in these sectors can be a principle means to subordinating the Afghan macro-economy to imperialism. It is therefore necessary that Iranian investment and sectoral policy support be urgently extended to the Islamic regime in Afghanistan.

The Afghan financial sector was totally subordinated to imperialism during the occupation period (2002-2021). Restructuring the Afghan financial sector is essential for the survival of the Islamic government. The imperialists have developed a two pronged strategy in this regard. On the one

Islamic regime from the Afghan people.

Need for Iranian Support

The imperialist attack on Afghanistan is indirectly an attack on the Islamic Republic of Iran. Imperialism seeks to surround the Islamic Republic with its client regimes. If an imperialist client regime is established in Afghanistan it will greatly facilitate imperialist intervention in Iran. It is in Iran's national interest to prevent the establishment of an American client regime in Afghanistan. It is also in Iran's national interest to assist the Afghan regime in defeating the terrorist attacks in that country.

I therefore appeal to the Iranian Ulema and government to seriously consider the following measures:

Early formal recognition of Afghanistan and establishment of diplomatic links. Iran should be the first country to recognize the Islamic Emirate and should serve as a link between Afghanistan and other countries like Russia, Belarus, North Korea, Cuba and Venezuela–which are victims of imperialist sanctions. Cooperation among these countries– Afghanistan, Belarus, Cuba,Iran, North Korea, Russia and Venezuela is key to developing an effective international system to frustrate America's sanctioning strategy and Iran is well placed to play a leading focal role in the development of such a system.

Economic cooperation between Iran and Afghanistan on a bilateral basis can be mutually beneficial and can be effective in defeating the imperialist endeavor to absorb the Afghan economy within the imperialist market networks and weakening the links of the Islamic regime to the masses. Efforts should be made to promote trade, investment and

The Situation in Afghanistan

I appeal to the Iranian Ulema and the Iranian regime to look sympathetically at the sufferings of our Afghan brothers. The struggle for asserting the Islamic character of Afghanistan began at the same time that the Islamic revolution triumphed in Iran and the Afghan Islamic revolution is a continuation of the Islamic revolution in Iran. After four decades of fierce armed struggle an Islamic regime has been established in Afghanistan. Since then the Afghan Jihad continues and there are two major threats to the Islamic regime in Afghanistan.

On the one hand terrorists have intensified their attacks on Afghanistan in which Shia community is especially targeted. America has openly threatened to resume drone attacks from Central Asian bases. It is pretending that these attacks will be against terrorist installations but of course the real target will be the Afghan socio-economic infrastructure to promote systemic instability in the country. In Europe anti-Islamic Afghan groups are being organized and financed by imperialism preparing them to launch a full scale civil war in Afghanistan.

Secondly, an American plan to sabotage the Afghan economy is under implementation. America has looted and confiscated $9.5 billion foreign exchange reserves of the Afghan Central Bank. Half of this money is being used to set up a fund in Geneva. The fund will print Afghan currency and try to infiltrate it into the Afghan economy in an effort to control the Afghan banking and financial system. The fund also seeks to monopolize energy import transactions into the Afghan economy. This is an attempt to subordinate the Afghan economy to the imperialist financial markets and isolate the

Syed Haider Abbas

Iran should support Afghanistan

Perhaps our greatest achievement in recent years has been the establishment and survival of the Islamic Republic of Iran. Other Islamic states that have emerged during this period in Sudan, Egypt, Chechnya, parts of Somalia and Mali have all been subsumed to imperialist pressure. The Islamic Emirate in Afghanistan continues to be threatened by impending US drone attacks and imperialists are actively working to forment civil war in that country.

In this scenario the Islamic Republic of Iran is a shining beacon of light for revolutionaries throughout the Islamic world. In its four decades of existence under the leadership of the Ulema, Iran has created a self-reliant, self-sustainable economy despite the imposition of severe imperialist sanctions. It has used democracy as an effective political tool for mobilizing popular support for the Islamic regime and for its initiatives for Islamizing Iranian society. It has developed a functional counter espionage system to effectively frustrate imperialist sabotage initiatives.

The Islamic Republic is the only Muslim country which identifies openly and comprehensively with the struggle for liberating al-Quds. The Palestinian Islamic cause is close to the heart of the Iranian Ulema and the Iranian nation as is the struggle of the Islamic forces in Lebanon, Iraq and Yemen. Within the country the leadership has consciously promoted Shia-Sunni unity and co-operation and Iran has become a shining example of love and friendship between different Islamic schools of thought.

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

''تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو قرآن کا علم حاصل کریں اور (دوسروں کو) اس کی تعلیم دیں۔''

صرف پندرہ منٹ روزانہ میں

گھر بیٹھے قرآن مجید کا ترجمہ کرنا سیکھیے

تدریس القرآن ①

پہلا پارہ (مترجم و معریٰ دونوں)

مرتب

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

صدر تحریکِ اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ

بلا معاوضہ طلب کریں

مندرجہ ذیل نمبرز پر اپنا ڈاک کا پتا واٹس ایپ کریں

0300-4107282 0309-4607124

آن لائن مطالعہ کے لیے **www.alburhaan.pk**

مکتبہ البرہان

15 شیر شاہ بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔ ای میل ermpak@hotmail.com

ڈاکٹر محمد امین کی چند اہم تصانیف

نمبر شمار	کتاب	صفحات	نمبر شمار	کتاب	صفحات
عصری تعلیم کی اصلاح (اسلامی تناظر میں)			۲۱	اپنی اصلاح آپ کیسے؟	۵۶
۱	ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل	۴۵۰	۲۲	ترکِ رذائل (احمد جاوید)	۲۹۲
۲	اسلامی سکول کے خدوخال	۸۰	۲۳	اسلام اور تعمیر سیرت (زیر طبع)	
۳	تعلیم اور اس کا اسلامی کردار	۱۶۷	**اسلام اور مغربی فکر و تہذیب**		
۴	یکساں قومی نصاب۔ خدشات و مضمرات	۲۰۸	۲۴	اسلام اور تہذیبِ مغرب کی کشمکش	۱۷۶
۵	تدریس القرآن، پارہ ۱، ۲، ۳، ۳۰ برائے معلمین	۱۶۰	۲۵	اسلامی اور مغربی اصطلاحات کا تقابلی مطالعہ	۱۷۶
۶	تدریس القرآن، پارہ ۱، ۲، ۳، ۳۰ برائے طلبہ و طالبات	۴۸	۲۶	اسلام اور ردِ مغرب	۲۱۶
۷	پنج سورہ مع پارہ عم (اُردو تفہیم)	۷۶	**تفہیم دین**		
۸	ایک نئی یونیورسٹی کی ضرورت	۱۲۰	۲۷	مسلم نشاۃ ثانیہ۔ اساس اور لائحہ عمل	۴۰۰
طلبہ کی اسلامی تربیت			۲۸	شاتم رسول کے قتل کی شرعی حیثیت	۴۸
۹	تعلیمی ادارے اور کردار سازی	۱۷۲	۲۹	رزم حق و باطل	۸۰
۱۰	تعلیمی اداروں میں تعمیر سیرت۔ ہینڈ بک و گائیڈ	۱۶۰	۳۰	اسلام اور پاکستان	۳۰۰
اصلاحِ دینی مدارس			۳۱	عصر حاضر اور اسلام کا نظام قانون	۲۵۰
۱۱	ہمارا دینی نظام تعلیم	۲۵۰	۳۲	مقالاتِ امین (جلد اوّل)	۶۷۶
۱۲	نصابِ مدنیؒ	۴۰	۳۳	مقالاتِ امین (جلد دوم)	۶۴۲
۱۳	مدرسہ ڈسکورسز۔ مطالعہ و تجزیہ	۱۵۶	**باللغة العربية**		
۱۴	اصلاحِ دینی مدارس	۳۵۲	۳۴	السلطة التشريعية _ دراسة مقارنة	۱۵۰
اسلامی تحریکیں			**English Books**		
۱۵	پاکستان کی دینی قوتیں غیر مؤثر اور ناکام کیوں؟	۲۴۰	۳۵	Islamization of Laws in Pakistan	250
۱۶	خاموش انقلاب ناگزیر ہے	۲۸۸	۳۶	Riyaz us Saliheen I & II	950
۱۷	عصر حاضر میں دین کا متوازن تصور	۸۴	۳۷	Literal Translation of the Holy Quran Para 1-10	500
۱۸	نئی اصلاحی تحریک کی ضرورت	۷۲			
تزکیۂ نفس					
۱۹	اسلام اور تزکیۂ نفس (مغربی فکر کے ساتھ تقابلی مطالعہ)	۹۰۳			
۲۰	حقیقت تزکیۂ نفس (سوالاً جواباً)	۶۲			

مکتبہ البرہان

15 شیر شاہ بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔

ای میل ermpak@hotmail.com